احمدی نوجوانوں کیلئے
ماہنامہ
خالد
ربوہ

ستمبر ۱۹۹۸ء

ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز

۱۴ تا ۱۶ اگست ۱۹۹۸ء کو مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے زیرِ انتظام منعقد ہونے والی چوتھی آل پاکستان صنعتی نمائش کے چند مناظر۔
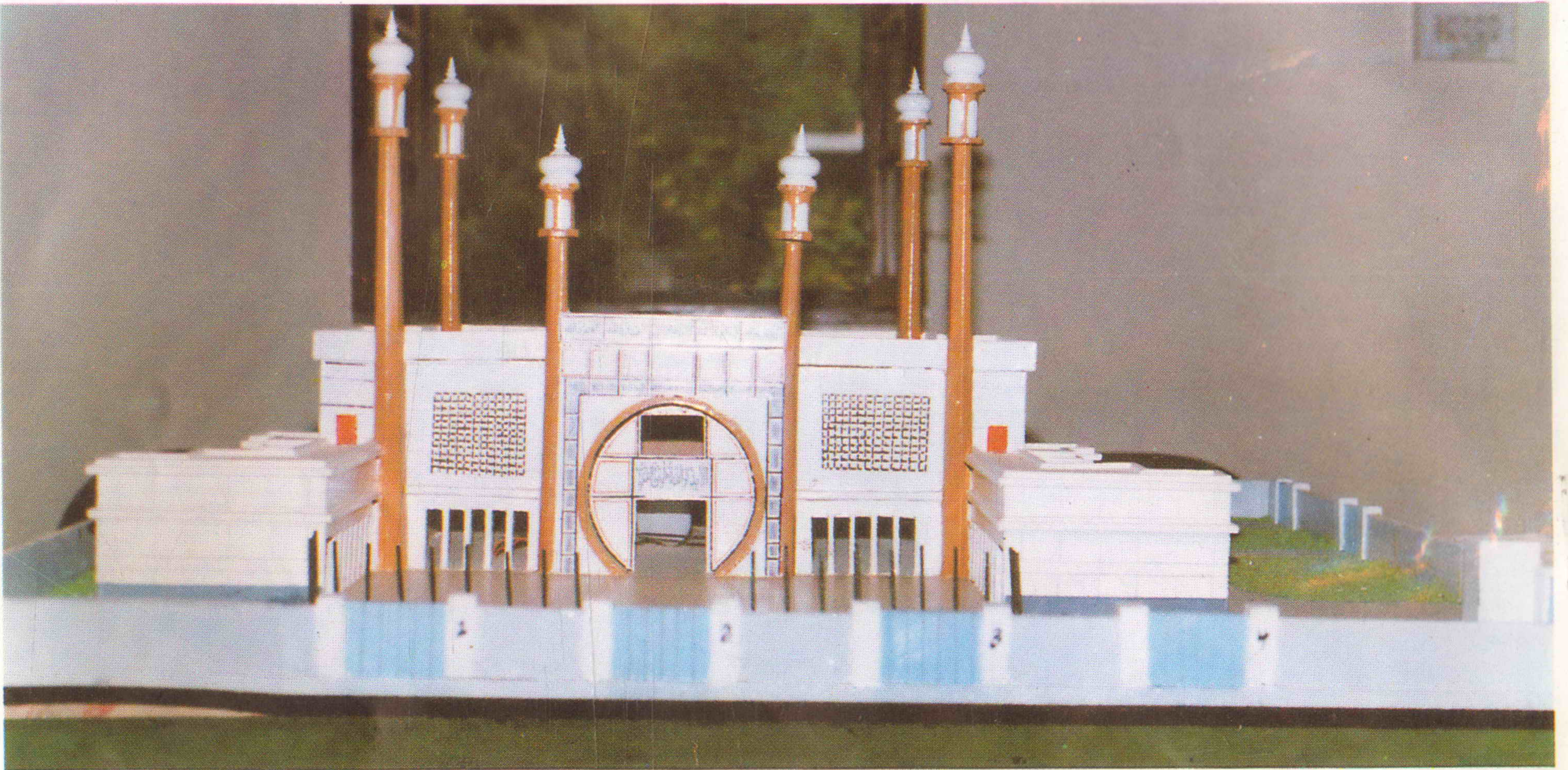
بیتِ اقصیٰ ربوہ کا لکڑی سے تیار کردہ ایک خوبصورت ماڈل

محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی صنعتی نمائش میں اعزاز حاصل کرنے والے ایک خادم کو انعام دے رہے ہیں۔
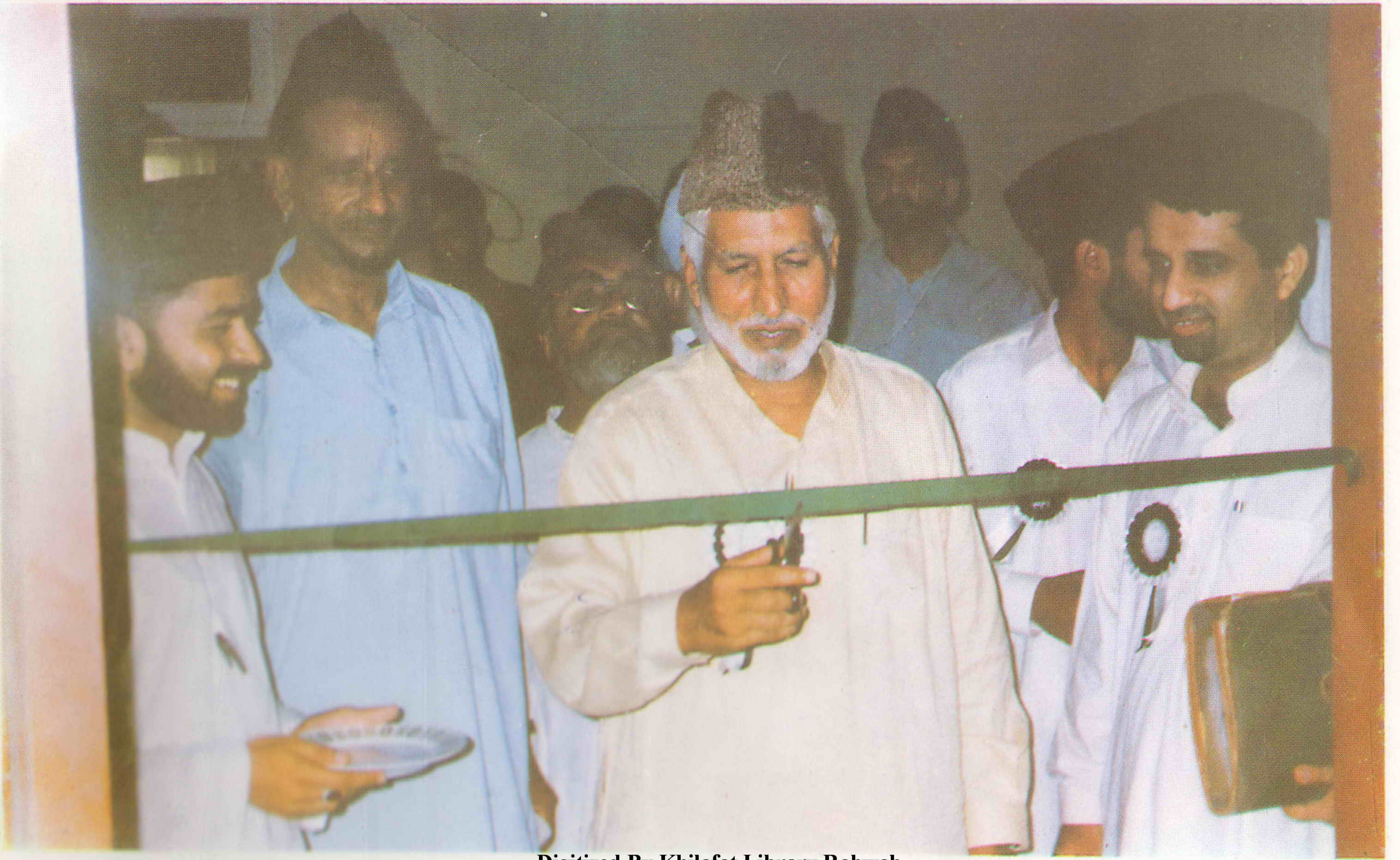
۱۴؍اگست ۱۹۹۸ء کو محترم چوہدری مبارک مصلح الدین احمد صاحب وکیل المال ثانی تحریکِ جدید ربوہ صنعتی نمائش کا افتتاح کر رہے ہیں۔

صنعتی نمائش ۱۹۹۸ء میں حصّہ لینے والے خدام اور حوصلہ افزائی کے لئے تشریف لانے والے احباب کرام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد 46 شمارہ 11

احمدی نوجوانوں کے لئے

ماہنامہ **خالد** ربوہ

تبوک 1377 ہش

ستمبر 1998ء

★★★★

ایڈیٹر:
سید مبشر احمد ایاز

فہرست مضامین

رابطہ آفس: دفتر ماہنامہ "خالد" دارالصدر جنوبی۔ ربوہ

قیمت -/7 روپے ★ سالانہ -/70 روپے

مینیجر: مبارک احمد خالد

پبلشر: مبارک احمد خالد۔ پرنٹر: قاضی منیر احمد۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ

اداریہ

دُعا

اِک سے ہزار ہوویں

امسال جلسہ سالانہ برطانیہ کے دوسرے روز دنیائے مذاہب کی تاریخ کا ایک حیران کن منظر دیکھنے میں آیا۔ کہ اس سال دنیا بھر کے 93 ممالک کی 223 قوموں کے 50 لاکھ سے زائد افراد جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے۔ فالحمدللہ علی ذالک

اس عالمی بیعت کا منظر روح پرور اور دلوں کو گرما دینے والا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی سچائی کی کتنی زبردست دلیل تھی یہ۔ اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا کتنا دلفریب اور خوبصورت محبت بھرا اظہار تھا۔ اس پر اللہ کا جتنا شکر کریں کم ہے۔

اس شکر کے ساتھ ساتھ قارئین کو ایک یاددہانی کروانا مقصود ہے اور وہ یہ کہ اس دعا کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اختتامی اجلاس میں تمام احباب جماعت کو دعا کی ایک تحریک کرتے ہوئے فرمایا کہ

"میں نے دعا کی تھی کہ میری دلی تمنا ہے کہ میری زندگی میں نئے احمدی ہونے والے ایک کروڑ ہو جائیں خدا نے وہ تمنا پوری کردی۔ خدا تعالیٰ کے حضور تمنائیں پیش کرتے ہوئے مجھ پر لازم ہے کہ میں اب کروڑوں کی تمنا کروں آپ سے استدعا کروں کہ سب دعا کریں کہ مولا کریم اس کروڑ کو میری زندگی میں دس کروڑ کردے اور پھر اس کو جتنا چاہے بڑھا دے......"

پس ہر احمدی اپنی روز کی دعاؤں میں اس دعا کو شامل کرے بلکہ مقدم کرے۔ روزانہ اپنے مولا کے حضور اس التجا کو پیش کریں کہ خدایا۔ ہمارے پیارے امام کی دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخش۔ آمین

قرآنی انوار

کلام الامام ـــــ امام الکلام

کس کی پیروی سے خدا کا پیار حاصل ہو سکتا ہے؟

قل اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ - (آل عمران-32)

ان کو کہہ دے کہ اگر خدا سے پیار کرتے ہو تو آؤ میرے پیچھے ہو لو اور میری راہ پر چلو تا خدا بھی تم سے پیار کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور وہ تو بخشندہ اور رحیم ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا ایک ہی طریق ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سچی فرمانبرداری کی جاوے۔ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ طرح طرح کی رسومات میں گرفتار ہیں..... رسومات کی بجاآوری میں آنحضرت ﷺ کی صرف مخالفت ہی نہیں ہے بلکہ ان کی ہتک بھی کی جاتی ہے اور وہ اس طرح سے کہ گویا آنحضرت ﷺ کے کلام کو کافی نہیں سمجھا جاتا اگر کافی خیال کرتے تو اپنی طرف سے رسومات کے گھڑنے کی کیوں ضرورت پڑتی"

(البدر جلد 2 نمبر 19 مورخہ 29 مئی 1903ء)

"یہ خصوصیت آنحضرت ﷺ ہی کو حاصل ہے اور یہ آپؐ کی حیات کی ایسی زبردست دلیل ہے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس طرح پر برکات و فیوض کا سلسلہ لاانتہاء اور غیر منقطع ہے اور ہر زمانہ میں گویا امت آپؐ ہی سے فیض پاتی ہے اور آپ ہی سے تعلیم حاصل کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت بنتی ہے کہ فرمایا اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ پس خدا تعالیٰ کا پیار ظاہر ہے کہ اس امت کو کسی صدی میں خالی نہیں چھوڑتا اور یہی ایک امر ہے جو آنحضرت ﷺ کی حیات پر روشن دلیل ہے"

(الحکم جلد 10 نمبر 6 مورخہ 17 فروری 1906ء صفحہ 3)

زندگی بخش باتیں

تمہارے اعمال تمہارے احمدی ہونے پر گواہی دیں

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دست مبارک پر دس بارہ آدمیوں نے بیعت کی تو اس موقعہ پر حضور نے ایک لمبی تقریر فرمائی۔ جس کا خلاصہ الحکم جلد 11 نمبر 32 صفحہ 6 مورخہ 10 ستمبر 1907ء میں اس طرح شائع ہوا:۔

"حدیث میں آیا ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذنبِ کَمَنْ لَاذَنبَ لَہ'۔ اب جو تم لوگوں نے بیعت کی تو اب خدا تعالیٰ سے نیا حساب شروع ہوا۔ پہلے گناہ صدق واخلاص کے ساتھ بیعت کرنے پر بخشے جاتے ہیں اب ہر ایک کا اختیار ہے کہ اپنے لئے بہشت بنالے یا جہنم۔

.....انسان پر دو قسم کے حقوق ہیں ایک تو اللہ کے دوسرے عباد کے۔ پہلے میں تو اُسی وقت نقصان ہوتا ہے جب دیدہ دانستہ کسی امر اللہ کی مخالفت قولی یا عملی کی جائے مگر دوسرے حقوق کی نسبت بہت کچھ بچ بچ کے رہنے کا مقام ہے۔ کئی چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں جنہیں انسان بعض اوقات سمجھتا بھی نہیں ہماری جماعت کو تو ایسا نمونہ دکھانا چاہیئے کہ دشمن پکار اٹھیں کہ گو یہ ہمارے مخالف ہیں مگر ہیں ہم سے اچھے۔ اپنی عملی حالت کو ایسا درست رکھو کہ دشمن بھی تمہاری نیکی خداترسی اور اتقاء کے قائل ہو جائیں........ یہ بھی یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی نظر جذر قلب تک پہنچتی ہے پس وہ زبانی باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ زبان سے کلمہ پڑھنا یا استغفار کرنا انسان کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے جب وہ دل و جان سے کلمہ یا استغفار نہ پڑھے۔ بعض لوگ زبان سے استغفر اللہ کرتے جاتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ اس سے کیا مراد ہے مطلب تو یہ ہے کہ پچھلے گناہوں کی معافی خلوص دل سے چاہی جائے اور آئندہ کے لئے گناہوں سے باز رہنے کا عہد باندھا جائے اور ساتھ ہی اس کے فضل و امداد کی درخواست کی جائے اگر اس حقیقت کے ساتھ استغفار نہیں ہے تو وہ استغفار کسی کام کا نہیں۔ انسان کی خوبی اسی میں ہے کہ وہ عذاب آنے سے پہلے اس کے حضور میں جھک جائے اور اس کا امن مانگتا رہے........"

(بحوالہ ملفوظات جلد نمبر 5 صفحہ 271 طبع جدید)

ایک نہایت پُراثر دُعا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحب کو ایک خط میں نہایت پیار سے تحریر فرماتے ہیں :-

.........استغفار اور تضرّع اور توبہ بہت ہی عمدہ چیز ہے اور بغیر اس کے سب نذریں ہیچ اور بے سود ہیں اپنے مولیٰ پر قوی امید رکھو اور اسکی ذاتِ بابرکات کو سب سے زیادہ پیارا بناؤ کہ وہ اپنے قوی الیقین بندوں کو ضائع نہیں کرتا اور اپنے سچے رجوع لانے والوں کو ورطہ غموم میں نہیں چھوڑتا۔ رات کے آخری پہر میں اٹھو اور وضو کرو اور چند دوگانہ اخلاص سے بجا لاؤ۔ اور درد غلامی اور عاجزی سے یہ دعا کرو۔

اے میرے مُحسن اور اے میرے خدا میں ایک تیرا ناکارہ بندہ پُر معصیت اور پُر غفلت ہوں تُو نے مجھ سے ظلم پر ظلم دیکھا اور انعام پر انعام کیا اور گناہ پر گناہ دیکھا اور احسان پر احسان کیا۔ تُو نے ہمیشہ میری پردہ پوشی کی اور اپنی بے شمار نعمتوں سے مجھے متمتع کیا۔ سو اب بھی مجھ نالائق اور پُر گناہ پر رحم کر اور میری بے باکی اور ناسپاسی کو معاف فرما اور مجھ کو میرے اس غم سے نجات بخش کہ بجز تیرے اور کوئی چارہ گر نہیں۔ آمین ثم آمین

(بحوالہ سیرت حضرت مسیح موعودؑ مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب۔ جلد دوم صفحہ 211)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پسندیدہ دُعا

حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ دُعا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پسند فرمایا اور کثرت سے دُہرانا پسند فرماتے تھے :-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔ (الترمذی)

اے اللہ ! مَیں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس کی محبت بھی جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور ایسے عمل کی (محبت بھی مانگتا ہوں) جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔

اے اللہ ! تُو اپنی محبت کو میرے نزدیک میری جان، میرے اہل و عیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنا دے ۔

پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبات میں جماعت کو اِس دعا کے بار بار پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے ۔

قائدین و عہدیدارانِ شعبہ اشاعت توجہ فرمائیں

مجلس شوریٰ 1997ء کی سفارشات جنکی منظوری حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرما چکے ہیں کی روشنی میں قائدین اور جملہ عہدیدارانِ شعبہ اشاعت کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ مندرجہ ذیل امور پر خصوصی توجہ کے ساتھ عمل درآمد کرنے کی بھرپور کوشش فرمائیں۔

☆ ان گھرانوں کی فہرست مرتب کی جائے جہاں خالد اور تشحیذ جانے چاہئیں یعنی ہر اس گھر میں رسالہ خالد اور تشحیذ پہنچے جہاں کوئی احمدی خادم یا بچہ رہتا ہو۔

☆ پھر ان گھروں میں یہ رسائل جاری کروائے جائیں۔

☆ ہر مجلس اپنے نام پر خالد اور تشحیذ جاری کروائے۔

☆ مالی استطاعت نہ رکھنے والی مجالس قائدین ضلع/علاقہ/مرکز کے تعاون سے یہ رسائل جاری کروائیں۔

☆ نومبائعین کے لئے خصوصیت سے یہ انتظام کیا جائے کہ ان تک یہ رسائل پہنچیں۔

☆ رسائل کی قلمی معاونت کے لئے ہر مجلس ہر ماہ کم از کم ایک ایک معیاری خوبصورت تحریر موزوں افراد سے رسالہ خالد اور تشحیذ کے لئے لکھوا کر ضرور بھجوائے۔

براہ کرم اس سلسلہ میں اپنی مساعی کی رپورٹ سے جلد مطلع فرمادیں۔ شکریہ

(مہتمم اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان)

سیرت و سوانح

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی زندگی کے مختلف ادوار

(مقالہ نگار مکرم و محترم چوہدری محمد صدیق صاحب سابق انچارج خلافت لائبریری ربوہ)

سیدنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی زندگی کے مختلف ادوار کا ذکر کرنے سے پہلے آپ کے خاندانی حالات کا مختصر ذکر کرنا ضروری ہے کیونکہ اہل علم و دانش کے نزدیک کسی شخص کا جوہر اور خوبی یہ ہے کہ وہ کسی عالی خاندان کا فرد ہو اور اس کے ساتھ عالی خاندان کا بانی ہو۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا اپنا خاندان بھی اپنے دور میں معزز تھا اور اس کے اکابر نے خدا تعالیٰ سے بھی اپنا گہرا تعلق رکھا تھا چنانچہ آپ کے خاندان کے مورث اعلیٰ مرزا ہادی بیگ خود علم و فضل اور تفقہ فی الدین اور بے حد فیاض طبع اور شجاعت و عدل اور علم دوستی کے لئے اپنی قوم اور رعایا میں ممتاز اور مشار الیہ تھے۔ آپ کے اسی اخلاق حسنہ اور تقوی و طہارت کے باعث اللہ تعالیٰ نے عظیم المرتبہ انسان کا باپ بننے کے لئے چن لیا۔

آپ اپنے وطن سمرقند سے نامعلوم وجوہات کی بناء پر یا شائد خدا کی تقدیر اور مشیت کی بناء پر ہندوستان میں آکر پنجاب کے غیر معروف علاقہ میں ایک گاؤں میں آباد ہوئے جس کا نام "اسلام پور" رکھا۔ سر گریفن کے بیان کے مطابق ۱۵۳۰ء کا زمانہ ہے۔ مرزا ہادی بیگ کی نیک چلن اور حسن اخلاق دینداری اور اسلامی غیرت کے باعث گردونواح کے ساٹھ میل کے علاقہ میں عام شہرہ ہوا اور اسلام پور اس کا صدر مقام ٹھہرا اور علاقہ کے معاشرتی امور کے فیصلہ کے لئے یہیں صدر عدالت یعنی دار القضاء قائم ہوا اور یہ شہر "اسلام پور قاضی" کے طور پر معروف ہوا اور بعد میں قاضی کے بجائے قادیان ہوا۔

حضرت بانی سلسلہ کے پردادا حضرت گل محمد ایک نامور اور مشہور رئیس اس نواح کے تھے اس وقت 85 گاؤں ان کے قبضہ میں تھے علاوہ ریاست و امارت کے اپنی دیانت داری 'امانت' پرہیز گاری اور اولوالعزمی اور حمایت دین و ہمدردی مسلماں کی صفت میں بہت مشہور تھے اور مشائخ و بزرگانِ زمانہ میں سے شمار ہوتے تھے اور صاحب خوارق و کرامات تھے۔ ان کی صحبت میں بہت سے اہل اللہ، صلحاء و علماء و فضلاء قادیان میں جمع رہتے تھے۔

مرزا گل محمد صاحب کی وفات کے بعد حضرت بانی سلسلہ کے دادا مرزا عطاء محمد گدی نشین ہوئے۔ ان کا زمانہ سکھوں کی حکومت کا تھا جنہوں نے سکھا شاہی اور طوائف الملوکی کا دور شروع کر رکھا تھا آپ نے اپنی ریاست کی حفاظت کی تدابیر کیں مگر قضاء وقدر کے باعث کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ سکھوں نے آپ کا کتب خانہ جلا دیا۔ ایک مسجد پر قابض ہو گئے (جو آج بھی گوردوارہ کے طور پر قادیان میں قائم ہے) چنانچہ آپ اپنے اہل وعیال کو لے کر کپورتھلہ کی ریاست میں بیگووال کے مقام پر چلے گئے اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔

حضرت بانی سلسلہ کے والد ماجد حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب خاندان کے سرپرست قرار پائے۔ آپ حضرت مرزا عطاء محمد صاحب کا جنازہ قادیان لائے اور خاندانی قبرستان میں دفن کیا تھوڑا

عرصہ کے بعد رنجیت سنگھ کا عہد شروع ہوا اگرچہ اس کا عہد مسلمانوں کے لئے مصائب ہی کا زمانہ تھا لیکن وہ بذات خود دوسرے سکھوں کی نسبت وسیع الاخلاق تھا۔ مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کو مہاراجہ نے قادیان واپس بلالیا اور جدی ریاست کا صدر مقام قادیان اور پانچ دیہات دے دیئے۔

انہوں نے اپنی ریاست کی پہلی شان و شوکت بحال کرنے کے لئے بے حد تگ و دو کی لیکن ناکامی ہی نتیجہ رہا جس کے باعث آپ ہمیشہ عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ صاحب رویاء کشوف اور طبیب حاذق بھی تھے۔ غرباء اور عوام الناس کا مفت علاج کرتے تھے طبی پیشہ کو ذریعہ معاش بنانے سے کامل پرہیز رکھا۔ ایک دفعہ بٹالہ کا راجہ تیجا سنگھ بیمار ہوا اس کو کاربنکل کی قسم کا پھوڑا تھا کوئی علاج کارگر نہ ہوتا تھا آپ کی طرف رجوع ہوا۔ آپ کی توجہ اور تشخیص صائب ثابت ہوئی اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء دے دی اس نے ایک کثیر رقم اور خلعت کے علاوہ بعض دیہات دینے کی پیش کش کی لیکن آپ نے اسے حقارت کے ساتھ واپس کر دیا اور باوجود اصرار کے انکار کر دیا اور فرمایا:۔

"میں ان دیہات کو علاج میں لینا اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے ہتک سمجھتا ہوں۔"

آپ بلا تفریق مذہب و عقیدہ اور دنیاوی وجاہت ہر کس و ناکس کی طبی خدمات کرتے ہندو اور مسلمان، امیر و غریب سب کو فیض پہنچاتے۔ دشمن بھی آپ کے فیض سے محروم نہ تھا۔

یہ مختصر تذکرہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ آپ (بانی سلسلہ) اعلیٰ خاندان کے فرد تھے اور عالی حسب و نسب رکھتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے حالات پیدا کر کے ظاہر فرما دیا کہ آپ نئے خاندان کے بانی مبانی ہوں گے۔ اور اعلیٰ اور نامور خاندان کے مورث اعلیٰ ہوں گے۔ جس کی آپ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے بشارت دی دی تھی الغرض حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو حسب و نسب کے لحاظ سے دونوں خوبیاں حاصل تھیں یعنی آپ عظیم الشان انسان ہیں جو نہ صرف خود ایک عالی خاندان کے بانی بلکہ وہ خود بھی ایک عظیم الشان خاندان کے فرد ہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پیدائش

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا خاندان بھی زمانہ کے بہت سے نشیب و فراز سے گذر چکا تھا مگر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پیدائش کے ساتھ ہی سکھا شاہی کا دور تنزل شروع ہو گیا اور انگریز حکومت قائم ہو کر اس کا استحکام شروع ہوا اور خاندان کی بہت سی تکالیف کا ازالہ شروع ہو گیا۔

آپ کے والد کی شادی اپنے خاندان کی بچی کے ساتھ ہوئی جو ضلع ہوشیار پور میں مقیم تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام چراغ بی بی تھا جو کہ حد درجہ عابدہ، زاہدہ سخی غریب پرور اور مصیبت زدگان کی مدد کے لئے ہر آن کمربستہ رہتی تھیں۔ آنے والے مہمانوں کے طعام و قیام کا بہترین انتظام کرتیں اور تمام ضروریات کا خیال رکھتیں۔ شہر میں جو غریب بھی وفات پا جاتا اس کے کفن کا انتظام خود کرتیں۔

آپ کی پیدائش ۱۸۳۵ء میں ہوئی۔ آپ توام پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ پیدا ہونے والا دوسرا بچہ لڑکی تھی جس کا نام جنت رکھا گیا تھا۔ وہ چند دنوں کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئی۔ آپ جمعہ کے مبارک دن میں صبح کے وقت پیدا ہوئے۔ پہلے لڑکی پیدا ہوئی اور بعد میں حضرت اقدس۔ جمعہ کے روز پیدائش میں بھی اسرار ہیں جن کا بیان یہاں ناممکن ہے ان کا علم حاصل کرنے کے لئے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تصنیف تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۱ تا صفحہ ۱۰۱ کا مطالعہ مفید و موزوں ہو گا۔ آپ کا نام غلام احمد رکھا گیا۔

آپ کے بہن بھائی

آپ کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر تھے اور ایک لڑکی جنت آپ کے ساتھ پیدا ہو کر وفات پا چکی تھی۔ آپ کی ایک ہمشیرہ

مسماۃ مراد بیگم تھیں جو نہایت عبادت گزار اور زاہدہ تھیں مرحومہ عین شباب میں بیوہ ہو گئیں اور جب تک زندہ رہیں عبادت اور یاد الٰہی میں اپنی زندگی بسر کی- بڑے بھائی مرزا غلام قادر ایک رئیس آدمی تھے اور نہایت قابل اور مدبر تھے-

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا بچپن

آپکو چونکہ اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کا رہنما بنانا تھا اس لئے آپ کا بچپن بھی نہایت ہی معصومانہ طور پر گذرا عام بچوں کی طرح کوئی شرارت، والدین کو تنگ کرنا یا کسی چیز کے لئے بضد ہونا یا عام بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہونا یا گالی گلوچ وغیرہ کرنا- غرضیکہ کوئی ایسی قابل اعتراض عادت نہ تھی بلکہ بے حد معصومانہ بچپن تھا- جب کبھی اپنے ننھیال جاتے تو بھی عام ہم عمر بچوں کے ساتھ بچگانہ مشاغل میں مصروف نہ ہوتے بلکہ اکیلے ہی باہر ماحول میں گھومتے پھرتے-

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تعلیم

انگریزی علمبرداری کے اوائل میں تعلیمی مدارس کا سلسلہ ابھی جاری نہ ہوا تھا- لہذا عام دستور کے مطابق بڑے بڑے رئیس اور امرا اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے اپنے گھروں پر استاد بطور اتالیق رکھ لیتے تھے- اسی طرح حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تعلیم کے لئے بندوبست ہوا- چنانچہ آپ کی تعلیم کے لئے قادیان ہی کے ایک فارسی خواں استاد کو مقرر کیا گیا- حضرت اقدس نے اپنی تعلیم کا ذکر خود فرمایا ہے:-

"جب میں سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لیے نوکر رکھا گیا جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا- اور جب میری عمر تقریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لیے مقرر کیے گئے جن کا نام فضل احمد تھا- میں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالیٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی اس لئے ان استادوں کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا- مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے- اور میں نے صَرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے اور بعد اس کے جب میں سترہ اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا- اور ان کا نام گل علی شاہ تھا- ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا- اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں اس دنیا میں نہ تھا- میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہئے کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ کردے نیز ان کا یہ بھی مطلب تھا کہ میں اس شغل سے الگ ہو کر ان کے ہموم و غموم میں شریک ہو جاؤں-"

ایام طالبعلمی میں آپکا دستور عمل

سید مولوی گل علی شاہ صاحب بٹالہ کے رہنے والے تھے اور شیعہ مذہب کے معلم تھے جب آپ قادیان میں پڑھاتے تھے تو بعض اور بچے اس خاندان کے بھی ان کے پاس پڑھتے تھے- اس وقت کے حالات دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ مرزا صاحب مطالعہ میں مصروف رہتے اور بچوں کے ساتھ کھیلنے کودنے کا آپکو کوئی شوق نہ تھا- ان ایام میں عام طور پر کشتی، کبڈی مگدر اور موگری اٹھانے کے کھیل مروج تھے اور اس کے ساتھ بٹیر بازی مرغ بازی بھی بکثرت تھی مگر مرزا صاحب بالطبع ان کھیلوں سے متنفر تھے اور کسی شخص نے بیان

نہیں کیا کہ اُس نے کبھی ان لڑکوں میں کھیلتے ہوئے یا آپ کو کسی کے ساتھ لڑتے جھگڑتے کبھی دیکھا ہو۔ آپ کو اگر کوئی مرغوب خاطر تھی تو وہ مسجد اور قرآن شریف تھی۔ مسجد میں ہی عموماً ٹہلتے رہتے اور زائد وقت بیت الذکر میں ہی گذارتے اور نماز و عبادات کے بعد قرآن مجید کو نہایت تدبر اور گہرے غور و فکر سے پڑھتے اور قرآن کے مطالب پر اپنے ذوق کے مطابق نشان لگاتے جاتے۔ آپ کے فرزند مرزا سلطان احمد صاحب کا بیان ہے کہ شاید اس قرآن کو دس ہزار مرتبہ آپ نے پڑھا ہو گا۔

قرآن فہمی کے لئے اختیار کردہ راہ

جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔ آپ قرآن مجید کی تلاوت کے دوران مشکل مقامات پر نشان لگاتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ آپ جب اپنے کمرے یا حجرے میں بیٹھتے تو دروازہ بند کر لیا کرتے تھے۔ یہی طرز عمل سیالکوٹ کے قیام کے عرصہ میں تھا کہ کچہری کے اوقات سے فارغ ہو کر آتے ہی اپنے کمرہ میں بیٹھ جاتے اور دروازہ بند کر کے اپنے شغل اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے بعض لوگوں کو تجسّس کی عادت ہوتی ہے انہوں نے ٹوہ لگا کر پتہ کیا کہ دروازہ بند کر کے کیا کرتے ہیں تو ان کو سراغ مل گیا کہ آپ مصلّٰی پر بیٹھے ہوئے قرآن مجید ہاتھ میں لیے ہوئے دعا کر رہے ہیں۔

"یا اللہ تیرا کلام ہے مجھے تو ہی سمجھائے گا تو میں سمجھ سکتا ہوں"

بہر کیف آپ کی خلوت اور جلوت قرآن مجید کی محبت اور عزت سے معمور تھی۔ اور قرآن فہمی کے لئے دعاؤں اور توجہ الی اللہ کو ہی اپنا راہنما بنائے ہوئے تھے۔

بچپن میں ہی نماز کی خواہش اور دعاؤں پر فطری ایمان

تیرھویں صدی فیج اعوج کا زمانہ تھا۔ ایمان گویا ثریا پر اٹھ چکا تھا۔ مسلمانوں میں دینی حرارت بہت ہی کم ہو گئی تھی۔ حضرت بانی سلسلہ کا خاندان بھی ان اثرات سے خالی نہ تھا۔ اس خاندان میں بہت سی بد عادات نے جگہ لے رکھی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپکی فطرت ایسی واقعہ ہوئی تھی کہ بہت ہی چھوٹی عمر میں آپ کو نماز کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔

آپ کی اہلیہ صاحبہ والدہ مرزا سلطان احمد صاحب ابھی صغر سنی میں تھیں اور آپ کے والد صاحب کے ہاں ہی رہتی تھیں۔ ان کے والد مرزا جمیعت بیگ صاحب بھی یہاں رہتے تھے۔ حضرت بانی سلسلہ کو کبھی کبھی استاد کے پاس پڑھنے کے لئے بھی چھوڑنے جاتی تھیں یہ مکتب دیوان خانہ کے ہی ایک حصہ میں ہوتا تھا۔ اس وقت ان بچوں کی عمر شادی کے قابل نہ تھی اور نہ ہی اہل خاندان میں سے کسی کے وہم و گمان میں تھا کہ آئندہ دونوں بچے نکاح میں منسلک ہو جائیں گے۔ ان ایام میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ان کو کہا کرتے تھے:۔

"دعا کر کہ خدا میرے نماز نصیب کرے!"

اس فقرہ میں کوئی خاص اثر اور قبولیت تھی کہ پورا ہو گیا۔ اس عمر کے بچوں کی خواہشات اور آرزوئیں سطحی ہوتی ہیں مگر اس بچہ کو جو خواہش تھی وہ بوڑھوں اور نوجوانوں کو بھی نصیب نہ تھیں۔ آپ نماز کے لئے جوش اور تڑپ رکھتے تھے اور دعاؤں کی قبولیت پر ایمان رکھتے تھے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پہلی شادی

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پہلی شادی جس طور پر ہوئی وہ اس خاندان کی روایات اور رسم و رواج کے لحاظ سے بالکل نرالی اور جدا تھی۔ سکھا شاہی کے باعث اس زمانہ میں مسلمانوں میں نہ صرف دین و مذہب کی طرف سے لاپرواہی پیدا ہو گئی تھی بلکہ لباس، وضع قطع میں بھی "سکھیت" پیدا ہو گئی تھی۔ دینی شعار کی بجائے عجیب و غریب رسم و رواج کو اپنا رکھا تھا۔ چنانچہ آپ کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کی شادی اس دھوم دھام سے ہوئی کہ اس کی نظیر گرد و نواح میں نہیں ملتی۔ ہر قسم کے رنگ راگ ایک مہینہ تک جاری رہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی شادی کے موقعہ پر خلاف شریعت ایک رسم بھی نہ ہوئی۔

حضرت بانی سلسلہ کے خسر مرزا حمعیت بیگ یہاں ہی رہتے تھے جو آپ کے ماموں بھی تھے۔ جب حضرت بانی سلسلہ کی شادی کی تجویز ہوئی تو اس کے ساتھ ہی نکاح ہو گیا اور کوئی دھوم دھام اور کوئی رسم خلاف شریعت عمل میں نہ آئی۔ اس طرح شریعت کے خلاف کوئی حرکت ظہور پذیر نہ ہوئی۔ آپ کی شادی متمول خاندانوں کے رواج کے تحت چھوٹی عمر میں ہی ہو گئی تھی۔ جب آپ سولھویں سال میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے سے نوازا جس کا نام سلطان احمد رکھا گیا۔ جو کہ حد درجہ مدبر اور مسلم عہدیداران میں شمار ہوئے۔ ادبی دنیا میں نام پیدا کیا۔ زمینداروں کی اصلاح کے لئے مفید مشوروں کا اظہار کرتے اور گورنمنٹ سے خان بہادر کا خطاب پایا۔

پھر دوسرا بیٹا پیدا ہوا جس کا نام فضل احمد رکھا گیا جو لاولد ہی وفات پا گئے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ والد صاحب کے دنیوی کاروبار میں لگائے گئے۔

آپ کے والد ماجد کی خواہش تھی کہ آپ کو تمام دنیوی امور سے واقف کر دیں جو ایک بڑے زمیندار کو پیش آسکتے تھے تاکہ وہ کسی طرح اپنے خاندان کی گم کردہ شان و شوکت اور ریاست حاصل کر سکیں۔ مگر اس قسم کے دنیاوی دھندے ان کی طبیعت کے میلان سے دور تھے۔ اور آپ بالطبع ان امور سے بیزار تھے پھر بھی والد صاحب کی اطاعت اور فرمانبرداری کا کامل نمونہ دکھاتے ہوئے جہاں کہیں بھی وہ مقدمات کی پیروی کے لئے بھجوائے جاتے چلے جاتے تھے اور اپنے تئیں ان خدمات میں لگا دیا اور ان کے لئے دعا بھی کرتے رہتے تھے۔

ان مقدمات کی پیروی کے لئے آپ کو ڈلہوزی اور لاہور تک سفر کرنے پڑے اور ڈلہوزی تک متواتر پیدل جاتے رہے۔ جبکہ اس زمانہ میں راستوں اور سڑکوں کا اہتمام نہ تھا۔ پھر پہاڑی قوموں کی سوشل زندگی بھی قابل اعتراض ہوتی تھی۔ باوجود اپنی وجاہت خوبصورتی اور زمانہ شباب کے ایسے مقامات سے اسی طرح معصوم آتے جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے۔ آپ ان ایام کے عجائبات کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

جب کبھی ڈلہوزی جانے کا اتفاق ہوتا تو پہاڑوں کے سبزہ زار اور بہتے ہوئے پانیوں کو دیکھ کر طبیعت میں بے اختیار اللہ تعالیٰ کی حمد کا جوش پیدا ہوتا اور عبادات میں ایک مزا آتا۔ میں دیکھتا تھا کہ تنہائی کے لئے وہاں اچھا موقع ملتا ہے۔

مقدمات میں تعلق باللہ

مقدمات کا یہ سلسلہ بہت لمبا تھا چیف کورٹ تک جانا پڑتا تھا۔ عام طور پر مدعی اور مدعا علیہ کو مقدمات کی پیشی کے وقت اضطراب ہوتا ہے لیکن آپ نہایت اطمینان کے ساتھ مقدمات کے لئے جاتے اور محض اطاعت والد کا فرض ادا کرنے کی نیت ہوتی لیکن آپ نے ان مقدمات کے دوران کبھی نماز قضاء نہیں کی۔ (یعنی نماز کبھی فوت نہیں ہوئی ہمیشہ وقت پر ادا کی)۔ عین کچہری میں آپ نماز میں مصروف ہیں اور ادھر مقدمہ کے لئے طلبی ہو گئی مگر آپ اطمینان کے ساتھ نماز کی ادائیگی میں مشغول رہے۔ چنانچہ آپ خود بیان فرماتے ہیں :۔

"میں بٹالہ ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے گیا۔ نماز کا وقت ہو گیا اور میں نماز پڑھنے لگا۔ چپڑاسی نے آواز دی۔ مگر میں نماز میں تھا۔ فریق ثانی پیش ہو گیا اور اس نے یکطرفہ کاروائی سے فائدہ اٹھانا چاہا اور اس بات پر بہت زور دیا مگر عدالت نے پرواہ نہ کی اور مقدمہ اس کے خلاف کر دیا اور مجھے ڈگری دے دی میں جب نماز سے

فارغ ہو کر گیا تو مجھے خیال آیا کہ شاید حاکم نے قانونی طور پر میری غیر حاضری کو دیکھا ہو۔ مگر جب حاضر ہوا اور میں نے کہا کہ میں تو نماز پڑھ رہا تھا تو اس نے کہا کہ میں تو آپ کو ڈگری دے چکا ہوں۔"

آپ کو مقدمات سے بالطبع نفرت تھی چنانچہ لاہور میں ایک مقدمہ کی خاطر گئے تھے وہاں سید محمد علی شاہ کے ہاں ٹھہرے (جو قادیان کے رئیس تھے) کھانا انہی کے گھر سے عدالت بھجوایا جاتا۔ ایک دن نوکر کھانا واپس لے آیا کہ مرزا صاحب نے کہا ہے کہ گھر آکر ہی کھاتے ہیں۔ چنانچہ ہشاش بشاش گھر آئے اور بتایا کہ مقدمہ خارج ہو گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ آئندہ اس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

اس زمانہ میں مقدمات کی پیروی اور زمینداری کی نگرانی میں مصروف رہے مگر یہ مصروفیت نہ تو مطالعہ سے مانع تھی اور نہ ہی یاد الٰہی میں حارج۔

تلاش روزگار

آپ کے والد ماجد کو ان حالات میں خیال آیا کہ آپ کو سرکاری ملازمت میں داخل کر دینا چاہئے۔ شاید یہ میدان انکی ترقی کا میدان ہو۔ چنانچہ آپ ۱۸۶۴ء میں سیالکوٹ جاکر اہلمد کی آسامی پر ملازم ہو گئے۔ آپ نے دوران ملازمت اپنے فرائض منصبی نہایت دیانت داری سے ادا کئے اور وہ صیغہ جس میں آپ ملازم تھے شکم پروری کا بہترین ذریعہ بن سکتا تھا لیکن آپکی دیانت، امانت، تقویٰ، طہارت اور نیک روش نے آپ کو ہر طرح سے بے لوث ثابت کیا۔ آپ عرصہ قیام سیالکوٹ میں دفتری اوقات کے بعد تنہائی میں اپنا وقت عبادات ریاضت اور علمی مطالعہ اور مذہبی مباحثات میں صرف کرتے۔ عام لوگوں سے ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا موجب ہوتی ہے، سے پرہیز کرتے۔ آپ کی ملاقات اگر کسی سے ہوتی تو علم دوست سے یا مذہبی لوگوں سے ملاقات بلکہ اکثر وقت مذہبی مذاکرات میں وقت صرف کرتے۔ سیالکوٹ میں قیام کے دوران آپ نے انگریزی کی ایک دو کتابیں بھی پڑھیں۔ آپ کو اس زمانہ میں بھی مذہبی مباحثہ کا بہت شوق تھا لہذا عیسائی پادریوں کے ساتھ مباحثہ جاری رہتا۔ جن میں سے ایک پادری بٹلر صاحب جو بڑے فاضل اور محقق تھے، سے مباحثہ کیا جو آپ کے سامنے خاموش ہو گئے۔ ان کے دل میں آپ کی بہت قدر تھی جب جانے لگے تو حضرت مرزا صاحب سے ملنے کے لئے کچہری میں گئے اور سیدھے جاکر مرزا صاحب کے ساتھ ہی فرش پر ہی بیٹھ رہے اور ملاقات کر کے چلے گئے۔

آپ ۱۸۶۸ء تک سیالکوٹ میں قیام فرما رہے اس عرصہ میں رویاء صالحہ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور بہت سے امور کے متعلق آپ نے خواب دیکھے۔ جو متعلقہ لوگوں کو قبل از وقت بتائے گئے اور پورے ہوئے۔ چنانچہ لالہ بھیم سین کی وکالت کے امتحان میں کامیابی اور راجہ تیجا سنگھ کی خبریں قبل از وقت بتائی گئیں جو صحیح ثابت ہوئیں۔ اپنے والد ماجد کی وفات کی خبر بھی قبل از وقت دے دی گئی جو عین وقت پر پوری ہوئی۔

آپ نے اپنے والد صاحب کی زندگی میں ہی انکی خدمت میں مودبانہ درخواست کر کے زمینداری کے مقدمات کی پیروی کے لئے معذرت چاہی اور ان دنیاوی بکھیڑوں سے جان چھڑائی۔ اس خط میں آپ نے اپنے منشاء کو ان پر واضح کر دیا اور بقیہ عمر یادِ الٰہی میں مصروف ہونے کے لئے اجازت چاہی۔

آپ کو گوشہ گزینی سے اس قدر محبت تھی کہ آپ کبھی جلوت میں نہ آتے اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل مد نظر نہ ہوتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"اگر خدا تعالیٰ مجھے اختیار دے کہ خلوت اور جلوت میں سے کس کو پسند کرتا ہے تو اس پاک ذات کی قسم ہے کہ میں خلوت اختیار کروں۔ مجھے تو کشاں کشاں میدان عالم میں انہوں نے نکالا ہے جو لذت مجھے خلوت میں آتی ہے۔ اس سے بجز خدا تعالیٰ کے کون واقف ہے۔"

آپ کی خلوت نشینی پر آپ کے ہمعصر ایک سکھ جاٹ کا

بیان ہے:-

"میں مرزا صاحب سے بیس سال بڑا ہوں- بڑے مرزا صاحب (مرزا غلام مرتضیٰ) کے پاس میرا بہت آنا جانا تھا میرے سامنے کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کوئی بڑا رئیس یا افسر بڑے مرزا صاحب سے ملنے کے لئے آتا تو باتوں باتوں میں ان سے پوچھتا تھا کہ آپ کے بڑے لڑکے (مرزا غلام قادر صاحب) کے ساتھ تو ملاقات ہوتی رہتی ہے لیکن چھوٹے بیٹے کو کبھی نہیں دیکھا وہ جواب دیتے تھے کہ "ہاں میرا دوسرا لڑکا غلام قادر سے چھوٹا ہے تو سہی پر وہ تو الگ ہی رہتا ہے پھر وہ کسی کو بھیجتے کہ مرزا صاحب کو بلائے چنانچہ آپ آنکھیں نیچی کیے ہوئے آتے اور والد صاحب کے پاس ذرا فاصلہ پر بیٹھ جاتے اور یہ عادت تھی کہ بایاں ہاتھ اکثر منہ پر رکھ لیا کرتے تھے اور کچھ نہ بولتے تھے- اور نہ کسی طرف دیکھتے تھے بڑے مرزا صاحب فرماتے کہ "اب تو آپ نے اس دلہن کو دیکھ لیا ہے" بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا مسیتڑ ہے نہ نوکری کرتا ہے نہ کماتا ہے-

آپ ملازمت کو قید خانہ سمجھتے تھے- سیالکوٹ کی ملازمت کے دوران ایک مرتبہ آپ کی والدہ محترمہ نے قادیان کے ایک حجام حیات نائی کے ذریعہ آپ کو چار جوڑے کپڑوں کے بھجوائے آپ کی فیاض طبیعت نے ان جوڑوں میں سے ایک جوڑا اس حجام کے حوالہ کر دیا- حالانکہ وہ خاص اہتمام سے آپ ہی کے لئے تیار کروائے گئے تھے- اس حجام نے بر سبیل تذکرہ آپ سے ملازمت کے متعلق عرض کیا کہ آپ کو یہ ملازمت پسند ہے؟ فرمایا:-

"قید خانہ ہی ہے"

سب سے پہلا الہام

۱۸۶۸ء تا ۱۸۶۹ء کا واقعہ ہے کہ پنجاب میں اہلحدیث فرقہ کی سخت مخالفت تھی جس ملاں کو پتہ چلتا کہ فلاں مسجد میں اہلحدیث (وہابی) نے نماز پڑھی ہے اس کا فرش اکھیڑ دیتے تھے- انہی ایام میں مولوی محمد حسین بٹالوی، مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی سے علم حدیث کی تحصیل کے بعد نئے نئے بٹالہ میں آئے تھے اور عوام الناس میں ان کے خلاف شدید جذبات پائے جاتے تھے- حضرت مرزا صاحب اتفاق سے کسی کام کے سلسلہ میں بٹالہ تشریف لے گئے تھے- ایک شخص اصرار کے ساتھ آپ کو مولوی محمد حسین صاحب کے مکان پر لے گیا وہاں ان کے والد صاحب بھی موجود تھے- اور سامعین کا ایک ہجوم مباحثہ سننے کے لئے بیتاب تھا- آپ نے مولوی محمد حسین کے سامنے بیٹھ کر ان سے پوچھا کہ آپ کا دعویٰ کیا ہے انہوں نے کہا کہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن مجید سب سے مقدم ہے اور اس کے بعد اقوال رسولؐ کا درجہ آتا ہے اور میرے نزدیک کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کے مقابل کسی انسان کی بات قابل حجت نہیں- آپ نے یہ سن کر بے ساختہ فرمایا کہ آپ کا یہ اعتقاد معقول اور ناقابل اعتراض ہے- لہذا آپ کے ساتھ بحث کی ضرورت نہیں- یہ سن کر لوگوں نے ہار گئے ہار گئے کے پر جوش نعرے لگائے اور جو شخص آپ کو ساتھ لے کر گیا وہ بھی سخت طیش میں تھا کہ آپ نے ہمیں ذلیل و رسوا کیا ہے مگر آپ نے ان لوگوں کے شور و شر کی کوئی پروانہ کی- چونکہ آپ نے یہ ترک بحث خالصتاً لِلّٰہ کی تھی- اس لئے رات کو اللہ تعالیٰ نے خاص خوشنودی کا اظہار فرماتے ہوئے الہاماً فرمایا-

"خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے برکت پر برکت دے گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"

اور بعد میں وہ بادشاہ بھی آپ کو عالم کشف میں دکھائے گئے جو چھ سات سے کم نہ تھے اور گھوڑوں پر سوار تھے یہ الہام بالکل ایک گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے زمانہ کا ہے اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ آپ کا مستقبل کیسا شاندار ہوگا-

معلومات

دنیائے سائنس

شہد کی مکھیوں کا ایئر کنڈیشنر

انسان نے ایئر کنڈیشنگ کا نظام بیسویں صدی میں ایجاد کیا ہے، جبکہ قدرت کے ننھے انجینئر آج سے ہزاروں سال پہلے بلکہ آغاز حیات سے ہی یہ سسٹم استعمال کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ہم جن چیزوں کو انتہائی جدید آسائشوں کا نام دیتے ہیں وہ انتہائی قدیم زمانے سے کسی نہ کسی شکل میں زیر استعمال ہیں۔ صرف انسان پر وہ اب منکشف ہوئی ہیں۔

شہد کی مکھی ایک ننھا سا پردار کیڑا ہے، لیکن ذرا غور سے دیکھا جائے تو وہ ایک ماہر انجینئر سے کسی طرح کم نہیں جو کمال مہارت سے اپنے چھتے کے درجہ حرارت کو مناسب سطح پر برقرار رکھتی ہے۔ یہ تحقیق حال ہی میں امریکہ کی نیشنل جیوگرافک سوسائٹی کی ایک ٹیم نے کی ہے۔ بے دھیانی میں شاید آپ نے بھی دیکھا ہو کہ گرمیوں کے موسم میں شہد کی کارکن مکھیاں انتھک طریقے سے اپنے پروں کو حرکت دیتی رہتی ہیں جس کے نتیجے میں ہوا گردش کناں رہتی ہے۔ اور چھتے میں ایک خوشگوار سا موسم پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے میں انڈوں کی حفاظت کرنے والی ملکہ مکھی بڑے اطمینان سے اپنے کام میں مگن رہتی ہے۔ ہوا کے گردش میں رہنے کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ پھولوں کا رس، جو کارکن مکھیوں نے بڑی جانفشانی سے اکٹھا کیا ہوتا ہے تخمیر کے عمل سے خراب نہیں ہو پاتا۔

یہی نہیں بلکہ موسم سرما میں شہد کی مکھیاں اپنی بستی کو گرم رکھنے کا بندوبست بھی کرتی ہیں۔ تمام مکھیاں ملکہ مکھی کے ارد گرد اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ بیرونی حصہ کی مکھیاں ایک دوسرے سے سختی کے ساتھ جڑ جاتی ہیں اور اس طرح حرارت کو باہر نکلنے سے روک دیتی ہیں۔ اندر کی مکھیاں اپنے جسموں کو ایک دوسرے کے ساتھ رگڑ کر حرارت پیدا کرتی ہیں۔ حرارت روکنے والی اور حرارت پیدا کرنے والی مکھیاں باری باری اپنے مقام تبدیل کرتی رہتی ہیں۔ یہ ایک مشکل کام ہے پھر بھی یہ نہایت جانفشانی سے اپنا کام کرتی رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ سردی جتنی زیادہ ہوتی ہے مکھیوں کو اتنی زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے، لیکن جفاکش مکھیاں اپنی بقا کے لئے بڑی خوشی سے یہ عمل سرانجام دیتی ہیں۔

زردانے اور بیماریاں

پھول دار پودوں کے ان گنت فوائد ہیں۔ ان کے رنگ برنگے اور خوبصورت پھولوں سے آرائش و زیبائش کے علاوہ سارے ماحول کو دلکش اور تر و تازہ رکھا جاتا ہے۔

پھول دار پودوں کے مختلف حصوں کو خوراک کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ دوا سازی، رنگ سازی اور کاغذ بنانے کی صنعتوں میں بھی پھولدار پودے دوسرے پودوں کی نسبت زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پھولدار پودے صرف فائدے ہی فائدے عطا کرتے ہیں۔ ان کے کچھ نقصانات بھی ہیں۔ مثلاً ان پودوں میں پائے جانے والے زردانے (pollens) جو فضا میں اِدھر اُدھر اڑتے پھرتے ہیں بہت سی بیماریوں مثلاً الرجی، گلے، پیٹ اور معدے کی خرابی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

دنیا کے بڑے بڑے اور مشہور اخبارات و رسائل میں جہاں موسم کا حال شائع ہوتا ہے وہاں مختلف قسموں کے زردانوں کے بکھراؤ اور پھیلاؤ کے بارے میں بھی معلومات مہیا کی جاتی ہیں۔

زردانوں کے بکھراؤ کا تعلق موسم سے ہوتا ہے یعنی گرم مرطوب موسم میں اُڑنے والے زردانے۔ سرد اور برسات کے موسموں کے زردانوں سے مختلف ہوں گے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ مختلف موسموں میں مختلف بیماریاں ہی پھیلیں گی۔

ماہرین نے یہ جاننے کے لئے کہ کون کون سے پودوں کے زردانے الرجی کا موجب بنتے ہیں، فضا میں سے روزانہ زردانوں کے نمونے اکٹھے کرنے شروع کئے اور ان نمونوں میں سے نہ صرف تعداد بلکہ مختلف قسموں کے زردانوں کی الگ الگ فہرستیں تیار کیں۔ انہوں نے یہ تجربات دن کے مختلف اوقات یعنی صبح، دوپہر اور شام کو کئے تو انہیں معلوم ہوا کہ مختلف اوقات میں فضا میں زردانوں کی تعداد بھی مختلف ہوتی ہے یعنی ہوا سے زیرگی کے عمل کو مکمل کرنے والے پودوں کے پک جانے پر ان کے زردانے صبح سے دن کے گیارہ بجے تک کثیر تعداد میں فضا میں موجود ہوتے ہیں۔

زردانوں کے بکھراؤ کا انحصار صرف موسم پر ہی نہیں ہوتا بلکہ پودے کی قسم پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی ایک نئے بنے ہوئے پودے کے کچھ زردانے تو ہوا سے اس پودے کے قریب ہی زمین پر گر جائیں گے جبکہ کچھ زردانے ہوا کے ساتھ اوپر اڑ جائیں گے۔ یاد رہے کہ ہوا کی نچلی تہہ وہ نہیں ہوتی جس میں ہم سانس لیتے ہیں بلکہ اس سے اوپر والی تہہ ہوتی ہے۔ اس طرح یہ زردانے تیز لہروں کی مدد سے بہت دور تک پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح گرم موسم میں فضا کا درجہ حرارت یکساں نہیں ہوتا بلکہ ہوا کی نچلی تہوں کا درجہ حرارت زیادہ اور سب سے اوپر والی تہہ کا درجہ حرارت نسبتاً کم ہوتا ہے۔ لیکن اس موسم میں دھند کی لکیر جو صاف شفاف آسمان ہونے کی صورت میں اکثر جہاز پر سفر کرنے والوں کو نظر آتی ہے میں بھی زردانوں کی بڑی تعداد ہوتی ہے۔ لیکن سرد موسم میں زردانے صرف ہوا کی نچلی تہوں میں ہی پائے جاتے ہیں چونکہ اس سے اوپر والی ہوا کی لہریں ایک جگہ منجمد رہتی ہیں اور کسی قسم کے زردانے اکٹھے نہیں کر پاتیں۔

فضا کے علاوہ زمین کے مختلف خطوں میں بھی زردانے بادلوں کی طرح سفر کرتے پھرتے ہیں۔ ریتلی، کچی اور کنکریلی زمینوں کے علاوہ تالابوں، جھیلوں اور سمندروں کے پانیوں کی اوپر کی سطح پر بھی ڈھیروں زردانے موجود ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی ایک بڑی تعداد بحری جہازوں کے عرشوں پر بھی پائی جاتی ہے۔

ہوا میں موجود زردانوں کی صحیح شرح کا اندازہ انہیں گن کر لگانا مشکل ہے اس لئے ماہرین نے ایک آسان اور سادہ طریقہ ایجاد کیا کہ ایک سلائیڈ پر تیل لگا کر ۲۴ گھنٹوں کے لئے بڑی سی عمارت کی چھت کے درمیانی حصے میں رکھ دی۔ زردانوں کی گنتی کا یہ طریقہ تو بہتر ثابت ہوا لیکن اس میں ایک قباحت یہ ہوئی کہ نزدیکی علاقوں میں پائے جانے والے پودوں کے زردانے اس پر اکٹھے نہ ہوئے بلکہ فضا سے دور دراز سے آئے ہوئے زردانے اس پر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اس طرح ایک مربع سنٹی میٹر سے تخمینہ نکال کر ہوا کے ایک کیوبک یارڈ میں موجود زردانوں کی تعداد معلوم کی گئی۔ اس طریقے سے ۲۴ گھنٹوں میں جمع ہونے والے تمام زردانوں کا مجموعی طور پر پتہ چل سکا، لیکن مختلف اوقات میں کم یا زیادہ زردانے اکٹھے ہونے کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔ سلائیڈ پر زردانے دراصل کشش ثقل کے عمل کے تحت اکٹھے ہونا شروع ہوئے۔ اب ماہرین نے اس پر ہوا کے تند و تیز اور سست رفتاری کے اثر کو دیکھنے کے لئے مصنوعی طور پر ہوا کے جھونکے دیئے تو انہوں نے دیکھا کہ جیسے جیسے ہوا دی گئی ویسے ویسے زردانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔

ہوا کے اسی عمل کے تحت ماہرین نے زردانوں کا انسانی جسم میں داخل ہونے کا اندازہ لگانا شروع کیا۔ ان کے مطابق اگر ایک آدمی تیز رفتار گاڑی میں شیشے کھول کر بیٹھا سفر کر رہا ہے تو وہ زردانوں کی کثیر تعداد اپنے اندر لے جائے گا جبکہ ایک ایسا شخص جو ایئر کنڈیشنر لگائے بند کمرے میں بیٹھا ہو گا وہاں شاید ہی کوئی زردانہ اپنے اندر لے جا سکے۔

اب ماہرین یہ جاننے میں کامیاب ہو چکے ہیں کہ بہت سی جلدی بیماریوں، گلے کی خرابی، الرجی اور تپ کاہی (Hay-Fever) کا موجب فضا میں موجود زردانے ہی ہوتے ہیں جنہیں انسان اپنے اندر لے جاتا ہے یا پھر پہلے وہ جلد پر چپک کے اپنے اثرات دکھاتے ہیں۔ موجودہ دور کے ڈاکٹر اب علاج سے پہلے مریض کی جلد یا گلے وغیرہ کے نمونے لے کر زردانوں کی قسموں کے مطابق مریض کو دوا دیتے ہیں۔

آپ یقیناً یہ جان کر حیران ہوں گے لیکن ذرا غور کریں جب بیٹھے بیٹھائے کوئی شخص کھجلی کرنے لگتا ہے تو اسے گھر والے دوست احباب کہتے ہیں کہ انڈہ نہ کھاؤ تمہیں اس سے الرجی ہے یا گھر جلدی نہ جاؤ یہ وقت تمہیں سوٹ نہیں کرتا۔ لیکن اس طرف کسی نے دھیان نہیں دیا کہ یہ الرجی زردانوں کی وجہ سے بھی تو ہو سکتی ہے۔

(بحوالہ "اہم سائنسی معلومات" شائع کردہ اردو سائنس بورڈ)

آہ عبید اللہ علیم

اہلِ دل ماتم کناں ہیں چل بسا بیمارِ دل ۔۔۔ لے گیا بیمارِ دل کو آخرش آزارِ دل

دل کی دنیا اور ہے عقل و خرد کی اور ہے ۔۔۔ تھا عبیداللہ بھی اک محرمِ اسرارِ دل

دل کے سودے دل سے وہ کرتا رہا گو عمر بھر ۔۔۔ بند لیکن ہو گیا یہ جلد ہی بازارِ دل

اس کے شعروں کی چمک تھی چاند تاروں کی طرح ۔۔۔ اس کی تحریروں میں تھے جلوہ فگن انوارِ دل

شاعری اس کی نہیں تھی محض لفظوں کا طلسم ۔۔۔ جان تھی اس میں تو تھا اس شخص کا کردار دل

بے تکلف بے ریا بے خوف وہ لکھتا رہا ۔۔۔ مدح میں لکھتا تھا جب ہوتا تھا وہ اقرارِ دل

میری اس کی دوستی تھی فن کے ناطے سے ضرور ۔۔۔ لیک میں اس کا تھا اور میرا تھا وہ اک یارِ دل

چاہتیں دنیا کی ساری روکتی ہی رہ گئیں ۔۔۔ واپسی کے واسطے منہ زور تھا اِصرارِ دل

نشر دنیا میں ہوئیں خبریں تمہاری مرگ کی ۔۔۔ اب اکیلا کیا کرے گا اک مرا انکارِ دل

گنگناتے ہیں ترے اشعار دنیا بھر میں لوگ ۔۔۔ ہر طرف بکھرے پڑے ہیں یہ ترے آثارِ دل

بات تو نے دل کی مانی اور دنیا چھوڑ دی ۔۔۔ لے گیا بیمار دل کو آخرش آزار دل

تیرے دل دادوں میں ترا مرثیہ گو ہے ظفر ۔۔۔ شعر ہیں تیرے ہماری زینتِ دربارِ دل

تیرے اہلِ خانہ پر برسیں خدا کی رحمتیں ۔۔۔ موت سے تیری نہ کوئی ان میں سے بھی اب ہارے دل

(ڈاکٹر راجہ نذیر احمد ظفر صاحب۔ ربوہ)

صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر و استقامت

آل یاسرؓ کی قوت ایمانی

حضرت یاسرؓ بن عامر یمن سے ہجرت کر کے مکہ تشریف لائے تھے۔ آپ کے بیٹے کا نام عمارؓ اور بیوی کا نام سمیہ رضی اللہ عنہا تھا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو یاسرؓ کا سارا خاندان مسلمان ہو گیا۔ یہ قبیلہ بنو مخزوم کا حلیف تھا۔ جب یہ خاندان مسلمان ہوا تو قبیلہ بنو مخزوم کی طرف سے انہیں بے انتہا دکھ دیئے گئے۔ حضرت یاسرؓ کو مکہ کی شدید گرمی میں سنگریزوں اور کنکریوں پر لٹا کر ایذا دی جاتی تھی۔ ہر طرح سے آپ کو تکالیف پہنچائی جاتیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے آپ کو ایسی قوت ایمانی عطا کر رکھی تھی کہ اس راہ میں اپنی جان قربان کر دی مگر اپنے ایمان پر آنچ نہ آنے دی۔

آپ کے بیٹے عمار کو بھی بہت تنگ کیا گیا ہر قسم کی تکالیف دی گئیں۔ مکہ کی تپتی ریت پر لٹا کر آپ کو دکھ دیا گیا لیکن آپ نے جب ایک دفعہ اپنا ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیا تو پھر اسے چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمارؓ کو مکہ کی تپتی ریت پر لٹا دیا گیا۔ جو آپ کی برداشت سے باہر تھا اور بے ساختہ آپ کی زبان سے کلمہ کفر نکل گیا۔ لیکن اندرونی طور پر ایمان پر پوری طرح قائم رہے۔ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دکھ برداشت نہیں کر سکا اور میری زبان سے کلمہ کفر نکل گیا ہے۔ لیکن ایمان پر قائم ہوں اس وقت خدا نے آسمان سے وحی نازل فرمائی جس نے حضرت عمار کے عظیم جذبہ ایمان پر مہر ثبت کر دی۔ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَ قَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ (سورۃ النحل: ۱۰۷) کہ ایسا شخص جس کو انتہائی حد تک مجبور کر دیا جاتا ہے اور اس کے منہ سے کوئی ناروا کلمہ نکل جاتا ہے لیکن اس کا دل ایمان پر قائم ہے تو ایسے شخص پر کوئی گرفت نہیں۔

حضرت عمارؓ کی والدہ جن کا نام سمیہ رضی اللہ عنہا تھا انہیں بھی بے حساب تکالیف پہنچائی گئیں۔ تا آپ کسی طرح دین اسلام کو ترک کر دیں۔ لیکن انہوں نے فرمایا میں اپنے آپ کو ہر چیز سے محروم کر سکتی ہوں۔ لیکن اسلام کو کسی صورت نہیں چھوڑ سکتی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے ہر قسم کی اذیتیں دیئے جانے کے بعد بھی اسلام کا انکار نہ کیا تو ابوجہل نے آپ کی ران میں نیزہ مارا جس سے آپ شہید ہو گئیں اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اسلام کے نام پر شہید ہونے والی پہلی خاتون ٹھہریں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت عمارؓ اور سمیہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے ہوا۔ اس وقت انہیں مکہ میں رمضہ کے مقام پر شدید تکالیف پہنچائی جا رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے آل یاسرؓ صبر سے کام لو اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے گا۔ (اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۶۰-۶۱ از علامہ ابوالحسن الجزری ابن الاثیر)

☆○☆

ایمان کی خاطر سب کچھ قربان کر دیا

حضرت صہیبؓ بن سنان ایک غلام تھے۔ روم سے پکڑ کر آپ کو لایا گیا تھا۔ آپ کی کنیت **ابو یحییٰ** تھی اور آپ کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت قعید تھا۔ آپ عبداللہ بن جدعان کے غلام تھے جنہوں نے آپ کو آزاد کر دیا تھا۔ حضرت صہیبؓ حضرت عمارؓ کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ صحابی کے مکان پر تشریف فرما تھے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ حاضر خدمت ہوئے لیکن

مکان کے دروازہ پر اتفاقیہ اکٹھے ہو گئے۔ ہر ایک نے دوسرے سے آنے کی غرض معلوم کی تو پتہ چلا کہ ایک ہی غرض یعنی اسلام لانا اور حضور کے فیض سے مستفید ہونا دونوں کا مقصود تھا۔ چنانچہ دونوں نے اکٹھے اسلام قبول کیا اور دونوں کو انہی مصائب میں سے گزرنا پڑا جن سے دوسرے جانثار صحابہ گزر رہے تھے۔ ہر طرح سے ستائے گئے' تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ آخر تنگ آکر مدینہ ہجرت کا ارادہ فرمایا۔ لیکن کافروں کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ یہ لوگ کسی دوسری جگہ جاکر آرام سے زندگی بسر کریں۔ اس لئے جب کسی کی ہجرت کا حال معلوم ہو جاتا تو اسے پکڑنے کی کوشش کرتے تا تکالیف سے نجات نہ پاسکے۔ چنانچہ آپ کا بھی تعاقب کیا گیا اور ایک جماعت آپ کو پکڑنے کے لئے گئی۔ آپ نے اپنا ترکش سنبھالا جس میں تیر تھے اور ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے اچھا تیر انداز ہوں۔ جب تک ایک تیر بھی میرے پاس باقی ہے تم لوگ مجھ تک پہنچ نہیں سکو گے اور جب سارے تیر ختم ہو جائیں گے تو میں اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا۔ یہاں تک کہ تلوار بھی میرے ہاتھ میں نہ رہے۔ اس کے بعد جو تم سے ہو سکے کرلینا اس لئے اگر تم چاہو تو میں اپنی جان کے بدلہ میں تمہیں اپنے مال کا پتہ بتلا سکتا ہوں جو مکہ میں ہے اور دو لونڈیاں بھی ہیں۔ وہ سب تم لے لو اس پر وہ لوگ راضی ہو گئے اور آپ نے اپنا مال دے کر جان چھڑائی۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد الجلد الثالث صفحہ ۲۲۶ تا ۲۲۸ از محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ دار صادر بیروت مطبوعہ ۱۹۸۵ء)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب نے ایمان کی خاطر بھائی کے مظالم برداشت کئے

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب حضرت عمرؓ کی بہن تھیں۔ آپ کی کنیت ام جمیل تھی۔ آپ کا نکاح حضرت سعیدؓ بن زید سے ہوا اور انہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔ یہ اوائل اسلام کا واقعہ ہے۔

ایک روز کفار مکہ کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کارروائی کے متعلق مشورہ کرنے کیلئے اکٹھے ہوئے کہ کوئی ہے جو محمدؐ کو قتل کر دے۔ عمر نے کہا میں ایسا کروں گا۔ لوگوں نے کہا کہ بے شک تم کر سکتے ہو۔ عمر نے تلوار اٹھائی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف چل دیئے۔ راستہ میں حضرت عمرؓ کی ملاقات قبیلہ زہرہ کے ایک شخص سعدؓ بن ابی وقاص سے ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ عمر کہاں جا رہے ہو کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی فکر میں ہوں (نعوذ باللہ) سعد نے کہا کہ بنو ہاشم اور بنو زہرہ اور بنو عبد مناف سے کیسے مطمئن ہو گئے وہ تو تمہیں بدلہ میں قتل کر دیں گے۔ اس جواب پر عمر بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی بے دین ہو گیا ہے آؤ پہلے تجھی سے نمٹ لوں۔ یہ کہہ کر تلوار سونت لی حضرت سعدؓ نے کہا۔ ہاں میں مسلمان ہو گیا ہوں اور تلوار نکال لی دونوں طرف سے تلوار چلنے کو تھی کہ حضرت سعدؓ نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔

یہ خبر حضرت عمرؓ کے سر پر بجلی کی طرح گری۔ انہوں نے سوچا میں جو اسلام کا بدترین دشمن ہوں۔ میں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مارنے جا رہا ہوں۔ میری ہی بہن اور میرا ہی بہنوئی اسلام قبول کر چکے ہیں اگر ایسا ہے تو پہلے مجھے اپنی بہن اور اپنے بہنوئی سے نپٹنا چاہئے۔ یہ سوچتے ہوئے وہ اپنی بہن کے گھر کی طرف چلے۔ جب دروازہ پر پہنچے تو انہیں اندر سے خوش الحانی سے کسی کلام کے پڑھنے کی آوازیں آئیں۔ یہ پڑھنے والے خبابؓ تھے جو ان کی بہن اور بہنوئی کو قرآن شریف سکھا رہے تھے۔ عمرؓ تیزی سے گھر میں داخل ہوئے۔ ان کے پاؤں کی آہٹ سنکر خبابؓ جھٹ کسی کونہ میں چھپ گئے اور ان کی بہن نے جن کا نام فاطمہ رضی اللہ عنہا تھا۔ قرآن شریف کے وہ اوراق جو اس وقت پڑھے جا رہے تھے چھپا دیئے۔ حضرت عمرؓ کمرہ میں داخل ہوئے تو غصہ سے پوچھا میں نے سنا ہے تم اپنے دین سے پھر گئے ہو اور یہ کہہ کر اپنے بہنوئی پر جو ان کے چچازاد بھائی بھی تھے حملہ آور ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب دیکھا کہ ان کے بھائی عمرؓ ان کے خاوند پر حملہ کرنے لگے ہیں تو وہ دوڑ کر اپنے خاوند کے آگے کھڑی ہو گئیں۔ عمرؓ ہاتھ اٹھا چکے تھے ان کا ہاتھ زور سے ان کے بہنوئی کے منہ کی

طرف آ رہا تھا اور اب اس ہاتھ کو روکنا ان کی طاقت سے باہر تھا۔ مگر اب ان کے ہاتھ کے سامنے ان کے بہنوئی کی بجائے ان کی بہن کا چہرہ تھا۔ عمرؓ کا ہاتھ زور سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چہرہ پر گرا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ناک سے خون کے فوارے بہنے لگے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مار تو کھالی مگر دلیری سے کہا عمر! یہ بات سچ ہے کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور یاد رکھئے ہم اس دین کو نہیں چھوڑ سکتے۔ تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر لو۔ عمرؓ ایک بہادر آدمی تھے ظلم نے ان کی بہادری کو مٹا نہیں دیا تھا۔ ایک عورت اور پھر اپنی بہن کو اپنے ہی ہاتھ سے زخمی دیکھا تو شرمندگی اور ندامت سے گھڑوں پانی پڑ گیا۔ بہن کے چہرہ سے خون بہہ رہا تھا۔ مگر عمرؓ کے دل سے اب ان کا غصہ دور ہو چکا تھا۔ اپنی بہن سے معافی مانگنے کی خواہش زور پکڑ رہی تھی اور تو کوئی بہانہ نہ سوجھا بہن سے بولے اچھا! لاؤ مجھے وہ کلام تو سناؤ جو تم لوگ ابھی پڑھ رہے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نہیں دکھاؤں گی کیونکہ تم ان اوراق کو ضائع کر دو گے۔ عمرؓ نے کہا نہیں بہن میں ایسا نہیں کروں گا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا تم تو نجس ہو پہلے غسل کرو پھر دکھاؤں گی۔ عمرؓ ندامت کی شدت کی وجہ سے سب کچھ کرنے کیلئے تیار تھے۔ وہ غسل پر بھی راضی ہو گئے۔ جب غسل کر کے واپس آئے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کے ہاتھ میں قرآن کریم کے اوراق دے دیئے۔ یہ قرآن کریم کے اوراق سورہ طٰہٰ کی کچھ آیات تھیں۔ جب وہ اسے پڑھتے ہوئے اس آیت پر پہنچے۔

إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي۔ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى (طٰہٰ: ۱۶،۱۵)

ترجمہ:۔ یقیناً میں ہی اللہ ہوں اور کوئی معبود نہیں صرف میں ہی معبود ہوں۔ پس اے مخاطب میری عبادت کر اور نماز پڑھ اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر میری عبادت کو قائم کر۔ رسمی عبادت نہیں بلکہ میری بزرگی کو دنیا میں قائم کرنے والی عبادت۔ یاد رکھ کہ اس کلام کو قائم کرنے والی گھڑی آ رہی ہے میں اس کے ظاہر کرنے کے سامان پیدا کر رہا ہوں جن کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہر ایک جان کو جیسے جیسے وہ کام کرتی ہے اس کے مطابق بدلہ مل جائے گا۔

حضرت عمرؓ جب اس آیت پر پہنچے تو بے اختیار ان کے منہ سے نکل گیا یہ کیسا عجیب اور پاک کلام ہے۔ خباب نے جب یہ الفاظ سنے تو وہ اس جگہ جہاں چھپے ہوئے تھے باہر نکل آئے اور کہا یہ رسول اللہ ﷺ ہی کی دعا کا نتیجہ ہے۔ مجھے خدا کی قسم! میں نے کل ہی آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا تھا کہ الٰہی عمرؓ بن الخطاب یا عمرو ابن ہشام میں سے کسی ایک کو اسلام کی طرف ضرور ہدایت بخش۔ عمرؓ کھڑے ہو گئے اور کہا مجھے بتاؤ کہ محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟ جب آپ کو بتایا گیا کہ آپ دارارقم میں رہتے ہیں تو آپ اسی طرح ننگی تلوار کھینچے ہوئے وہاں پہنچے اور دروازہ پر دستک دی۔ صحابہ نے دروازہ کی دراڑوں میں سے دیکھا تو انہیں عمرؓ ننگی تلوار لئے کھڑے نظر آئے۔ وہ ڈرے کہ ایسا نہ ہو دروازہ کھول دیں تو عمرؓ اندر آکر کوئی فساد کرے۔ مگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ہوا کیا دروازہ کھول دو۔ عمرؓ اسی طرح تلوار پکڑے اندر داخل ہوئے۔ رسول کریم ﷺ آگے بڑھے اور فرمایا عمر! کس ارادہ سے آئے ہو؟ عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ میں مسلمان ہونے آیا ہوں۔ رسول کریم ﷺ نے یہ سن کر بلند آواز سے اللہ اکبر کہا۔ یعنی اللہ سب سے بڑا ہے اور آپ کے سب ساتھیوں نے بھی یہی الفاظ زور سے دہرائے یہاں تک کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں اور تھوڑی ہی دیر میں یہ خبر مکہ میں آگ کی طرح پھیل گئی اور عمرؓ سے بھی وہی سختی کا برتاؤ ہونا شروع ہو گیا جو پہلے دوسرے صحابہ سے ہوتا تھا۔ مگر وہی عمرؓ جو پہلے مارنے اور قتل کرنے میں مزہ اٹھایا کرتا تھا اب مار کھانے اور پیٹے جانے میں لذت حاصل کرنے لگا۔ چنانچہ خود عمرؓ کا بیان ہے کہ ایمان لانے کے بعد میں مکہ کی گلیوں میں ماریں ہی کھاتا رہتا تھا۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ تالیف از شہاب الدین ابی الفضل الجزء الثامن صفحہ ۱۶۱۔ ۱۶۲) دار الکتب بالازہر الشریف بمصر مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

پیارے آقا ایدہ اللہ تعالیٰ اور احباب

جماعت کو عالمی بیعت اور عالمگیر

جماعت احمدیہ کی عالمگیر ترقیات

مبارک ہوں

منجانب:۔ ملک صلاح الدین احمد دوالمیال

وقیادت خدام الاحمدیہ ضلع چکوال

ڈالر چینج

فارن کرنسی تبدیل کروانے۔ FEBC

بنوانے۔ حوالہ FDD اور FTT کے لئے

تشریف لائیں۔

ریکس سٹی پلازہ۔ ستیانہ روڈ فیصل آباد

فون نمبرز:۔ ۷۳۰۲۸۸ — ۴۴۷۲۹

موبائل:۔ ۰۳۰۰ — ۶۶۱۵۲۴

پروپرائٹر:۔ ملک عبدالصمد

الطاف فرنیشرز

بالمقابل فیصل فلور مل

شیخوپورہ روڈ فیصل آباد

آپ کی خدمت کے متمنی

مشتاق احمد۔ الطاف احمد

فون:۔ ۷۵۴۵۳۴ PP
۷۵۰۹۴۹

فینسی چوڑیاں | اعلیٰ ہوزری | امپورٹیڈ کاسمیٹکس

عمدہ کوالٹی سامان آرائش وزیبائش کیلئے

روپ سنگھار چوڑی

اینڈ

بیوٹی سنٹر

نزد سابقہ ڈاکٹر افسر والی گلی نمبر ۹

فتح آباد ستیانہ روڈ۔ فیصل آباد

فون: ۷۱۴۴۵۳

سامان منیاری ہر قسم بازار سے بارعایت خرید فرمائیں

ڈاکٹر عبدالسلام

(پروفیسر ہُود بھائی نے یہ مضمون ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی یاد میں ۱۹ تا ۲۲ نومبر ۱۹۹۷ء کو ٹریسٹے (اٹلی) میں ہونے والے خصوصی اجلاس میں پڑھا)

(ترجمہ وتلخیص: مکرم پروفیسر راجا نصراللہ خان صاحب)

"ایں مقتول راجز بیگناہی نیست تقصیرے"

نہایت ہی شایان شان ہے یہ بات کہ اس یادگار اجلاس کا مقصد پروفیسر عبدالسلام کو ان کی عظیم الشان کامیابیوں پر، جو انھوں نے بحیثیت ایک ماہر طبعیات کے اور اس مرکز (تھیورٹیکل فزکس سنٹر-ٹریسٹے-ناقل) کو تخلیق کرنے کے سبب حاصل کیں، تکریم پیش کرنا ہے- یہ مرکز اب تیسری دنیا کی سائنسی ترقی میں مرکزی نقطہ بن گیا ہے- یہ ایک تاریخی موقعہ ہے آج کے دن سے یہ مرکز "عبدالسلام مرکز برائے نظری طبعیات" کہلائے گا- میرے ذہن میں اس صدی کا کوئی اور ماہر طبعیات نہیں آرہا جس کو اس درجہ اعزاز ملا ہو- یہ وجہ ہے کہ بہت ہی پس و پیش کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں سلام کی شاندار کامیابیوں کی بجائے ان کی سب سے نمایاں ناکامی کے متعلق گفتگو کروں- جس سے میری مراد ہے پاکستان اور دنیا کے دوسرے مسلم ممالک میں سائنس کو فروغ دینے کے لئے ان کی جستجوئے لاحاصل!

تین وجوہات

تین وجوہات ایسی ہیں جو اس مجلس میں، جہاں گزشتہ تین روز سے اس قدر خوش آئند باتیں بیان کی جارہی ہیں، مجھے ناخوشگوار معاملات بیان کرنے پر مجبور کررہی ہیں-

پہلی وجہ: سلام پورے ولولے کے ساتھ اس نظریہ پر پختگی سے قائم تھے کہ معاشرے کی ثقافتی اور مادی ترقی فیصلہ کن طور پر اس کی ترقی پذیر سائنس پر منحصر ہے- وہ خاصی شدت کے ساتھ ایسا چاہتے تھے لہذا ان کی نہ پوری ہونے والی توقعات بغیر کسی تبصرہ کے چھوڑ دینا غیر معمولی فروگزاشت ہوگی-

دوسری وجہ: سلام کی یہ ناکامی ان کی شخصیت کو کم تر نہیں کرتی بلکہ ہمیں اس سوال کا سامنا کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ آخر غلطی کیا ہوئی؟ یہ سوال خاص طور پر تقاضا کرتا ہے کہ ہم میں سے جو پاکستان میں رہتے ہیں یہ دریافت کریں کہ ہمارے ملک میں سائنسی اور معاشرتی ترقی، ہم سے کیوں کنارہ کش کرتی جاتی ہے اور یہ تیس برس قبل کے مقابل میں مزید دور کی منزل کیوں دکھائی دیتی ہے؟ میرے خیال کے مطابق اب سچی بات کہہ دینا- خواہ یہ کتنی ہی گراں گزرے، مستقبل کے المیہ سے بچنے کا جا طور پر واحد طریق ہے-

تیسری وجہ: یہ قریباً مکمل طور پر تیسری دنیا کی سائنسی ترقی کے حوالے سے ہوا کہ مجھے پروفیسر سلام کو جاننے کا موقع ملا- کئی سالوں پر محیط عرصہ کے دوران مجھے ان کے ساتھ متعدد بار گفت وشنید اور خط وکتابت کا شرف حاصل ہوتا رہا ہے- میں سب سے پہلے ان سے 1972ء میں MIT میں ایک مرعوب و مبہوت انڈر گریجویٹ سٹوڈنٹ کے طور پر ملا- اور پھر 1978ء میں ٹریسٹے مرکز میں ایک مہمان (سائنسدان) کی حیثیت سے- بہر حال ان مواقع کی کوئی اہمیت نہیں ہے- وہ اس وقت مجھے نہیں جانتے تھے- یہ 1985ء کی بات

ہے کہ مجھے انکی جانب سے اسلام آباد میں ایک خط پاکر حیرت انگیز مسرت ہوئی۔ اسلام آباد میں اس وقت میں تدریس کا فریضہ انجام دے رہا تھا (جواب بھی جاری ہے)۔ خط میں تحریر تھا کہ انھوں نے صدیوں قبل اسلامی سائنس تخلیق کرنے سے متعلق اہل اسلام کی روایتی مساعی اور مسلمان اہل علم و فراست کی کامرانیوں کو برباد کرنے میں مذہبی عدم برداشت کے کردار کے بارہ میں میرا تنقیدی مضمون پڑھا ہے۔ انھوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ اگر (ٹریسٹے) مرکز میں آؤں تو ان سے ملاقات کروں۔

قریبی تعلق

اس طرح پروفیسر سلام کے ساتھ میرے تعلق کا آغاز گرما 1985ء میں ہوا۔ اگلے سال انھوں نے تجویز کیا کہ ہم دونوں مائیکل ماورسک (MICHEL MORAVESIK) کی کتاب "عالمی سائنس کی شاہراہ پر" کا پیش لفظ تحریر کریں۔ اس کتاب کا مسودہ انھیں انھی دنوں موصول ہوا تھا۔ مجھے یہ پیش کش قبول کر کے فخر محسوس ہوا۔ دو سال بعد سلام نے میری کتاب "اسلام اور سائنس" کا تعارف لکھا۔

پاکستان کے لئے عظیم اور بے لوث خدمات

مجھ سے پہلے والے مقرر نے کچھ ایسے طریقوں کی تفصیل بیان کی جن کے ذریعہ سلام نے پاکستان میں سائنسی ترقی کا معیار بلند کرنے کے لئے اپنی ذہانت، وقت، شہرت اور اختیارات کا استعمال کیا۔ صدر پاکستان کے سائنسی مشیر ہونے کی حیثیت میں سلام پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کی بنیاد رکھنے، سیم و تھور کے مسائل پر ریسرچ کا آغاز کرنے اور زرعی تحقیق کرنے کا ذریعہ بنے۔ وہ ان بہت سے لوگوں کے لئے، جنھوں نے اپنے مستقبل کی راہوں کی غرض سے اپنے نوبیل پرائز کی رقم کا ایک حصہ الگ رکھ چھوڑا تھا۔ اور میں ان کی میز پر پڑے ڈھیروں خطوط کا چشم دید گواہ ہوں جو انھیں طلبہ اور مداحوں کی طرف سے موصول ہوتے تھے۔ چونکہ وقت کسی مصروف اور تحقیق کرنے والے شخص کا سب سے قیمتی اور نادر سرمایہ ہوتا ہے اس لئے میں اس بات پر ہمیشہ حیرت میں ڈوب جاتا تھا کہ سلام تقریباً سب خطوط کا جواب دیتے تھے حتیٰ کہ احمقانہ خطوط کا بھی!

پس آپ توقع کرتے ہوں گے کہ سلام پاکستان میں ایک ہیرو ہونگے۔ ایسا نہیں ہے!!

ناقدر شناسی کی انتہا

یہاں پر (ٹریسٹے میں۔ ناقل) نظری طبعیات کا دنیا کا سب سے بڑا، کہیں بڑا ادارہ ہے جس کا نام اب سلام کے نام پر رکھا گیا ہے لیکن جس ملک میں وہ پیدا ہوئے اور جس کے وہ شہری تھے وہاں کوئی سائنسی یا دوسرا ادارہ، عمارت حتیٰ کہ کوئی سڑک بھی ان کے نام پر نہیں ہے۔ سکول کی نصابی کتب میں ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور نہ ہی اساتذہ ان نونہالوں کو ان کے متعلق کچھ بتلاتے ہیں۔ جعلی ہیرو وہاں پر جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں مگر سلام کہیں بھی موجود نہیں۔ اکثر پاکستانی درسگاہوں میں ان کے متعلق محسوس کی جانے والی تحقیر کی عکاسی کرتے ہوئے میری یونیورسٹی کے ایک سابق چانسلر نے ایک اجلاس میں حقارت سے پوچھا "سلام کون ہے؟ اس نے پاکستان کے لئے کیا کیا ہے؟!!

وفاؤں کا "صلہ"

یہ ایک حقیقت ہے کہ سلام کو اکثر عالمی رہنماؤں، اقوام متحدہ کے اعلیٰ اہلکاروں، پوپ اور دوسری شخصیات تک سہل رسائی حاصل تھی لیکن ان کو اپنے وطن کے لیڈروں کو بات سنانا بہت مشکل لگتا تھا۔

1988ء میں میں اسلام آباد میں پروفیسر سلام کے ہوٹل میں موجود تھا جہاں وہ دو روز سے بڑے صبر کے ساتھ وزیراعظم بے نظیر بھٹو سے ملاقات کرنے کا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ ان کے مرتبے اور کمزور صحت والے انسان کو اسطرح انتظار میں رکھنا درست نہیں تھا۔ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور لمحہ بھر میں سلام کا چہرہ تمتما اٹھا پھر میں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ مرجھا گیا۔ کیونکہ "بی بی" کے سیکرٹری نے ان کو اطلاع دی کہ ملاقات منسوخ کر دی گئی ہے۔ کوئی وجہ نہیں بتائی گئی تھی۔ ہاں میں بہت خوش ہوں کہ وزیراعظم نواز شریف کی مہربانی ہے کہ انھوں نے آج اس اجلاس کے موقع پر تہنیتی پیغام بھیجا ہے۔ ہمیں ہمیشہ چھوٹی چھوٹی نوازشات پر شکر گزار ہونا چاہئے لیکن اس نوازش کی کیا قیمت ادا کی گئی؟ مجھے یاد ہے کہ کوئی پانچ برس قبل گورنمنٹ کالج لاہور میں جلسہ اسناد کو خطاب کرتے ہوئے ان ہی مسٹر نواز شریف نے کالج کے تمام ممتاز طلبہ کا نام لیا لیکن سلام کو ذکر کے قابل نہ سمجھا!! یہ بات عجیب ہے کوئی دس سال پیشتر سلام یونیسکو کے ڈائرکٹر جنرل کے عہدہ کے لئے میدان میں اترنا چاہتے تھے لیکن پاکستان نے ان کی امیدواری کی توثیق سے انکار کر دیا۔ یہ سب کچھ اس حقیقت کے باوجود ہوا کہ ترقی پذیر ممالک، خاص طور پر اردن اور کویت نے ان کی پوری پوری حمایت کرنے کا حتمی وعدہ کیا تھا۔ چونکہ سلام نے کبھی بھی اپنی پاکستانی شہریت ترک نہیں کی اس لئے ان کے آبائی وطن کی طرف سے عدم توثیق نے ان کی خواستگاری کا خاتمہ کر دیا۔

ظالمانہ الزامات کا نشانہ

افسر شاہی کی طرف سے نظر انداز ہونے اور تسلیم نہ کئے جانے کے علاوہ سلام کو سخت حملوں اور بہتان طرازی کا بھی نشانہ بنایا گیا۔ دائیں بازو کے مجلّات نے ایٹمی جاسوسی سے متعلق وحشیانہ سازشوں کا تانا بانا بنایا اور دعویٰ کیا کہ سلام نے ایٹمی راز ہندوستان کو فروخت کئے ہیں۔ بنیاد پرست طلبہ کے گروہوں نے سلام کے لئے کسی بھی یونیورسٹی کا دورہ کرنا ناممکن یا بے حد دشوار بنا دیا۔ میں یہ کہتے ہوئے شرم محسوس کر رہا ہوں کہ سلام اسلام آباد میں واقع میری یونیورسٹی میں بھی قدم نہ رکھ پائے جس کے شعبہ طبعیات نے بڑی حد تک ان سے جذبہ و اثر قبول کیا تھا اور جو ملک بھر میں واحد شعبہ تھا جہاں پر ان کے لیکچر کے سمجھے جانے کا امکان تھا۔

اے مسلم خوابیدہ جاگ!

پاکستان کے متعلق اتنا ہی کافی ہے۔ اور مسلم ممالک کا کیا حال ہے جن کی سلام نے بے انتہا منتیں کیں۔ ترغیب دلائی اور تین دہائیوں سے زائد عرصہ میں ان کے بار بار دورے کئے۔ اس امید میں کہ وہ انھیں جھنجھوڑ کر سائنسی ترقی کی راہ پر لے آئیں گے۔ ان کے پاس بہت سی تجاویز تھیں جن میں سے ایک یہ زبردست سکیم تھی کہ ایک اجتماعی اسلامی سائنس فاؤنڈیشن کے قیام کے ذریعہ ان ممالک تک سائنس پہنچائی جائے۔ اس فاؤنڈیشن کا ابتدائی اثاثہ ایک ارب ڈالر ہو جس کو اسلامی ممالک کا کنسورشیم مل کر اکٹھا کرے۔ سعودی عرب کے دستکش ہونے کے بعد یہ سکیم مکمل طور پر ناکام ہو گئی۔ اور سلام کو ہمیشہ کے لئے اپنے دوسرے ہم مسلکوں سمیت سعودی عرب کی سرزمین پر قدم رکھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ سلام نے کبھی بھی برسرعام اس بات یا دوسرے امور کی شکایت نہیں کی لیکن نجی طور پر وہ اس بات پر دکھ اور یاس کا اظہار کرتے کہ فقط دو (مسلم) ممالک یعنی کویت اور ایران ہی سائنس کے میدان میں رقم خرچ کرنے میں دلچسپی لیتے دکھائی دیتے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے سامعین میں سے بہت سے اصحاب اس الجھن میں گرفتار ہوں گے کہ اس صورتحال کا سبب کیا بنا؟

مجھے وضاحت کرنے کی اجازت دیجئے۔

آج ہیں ہم کیوں بیگانے........

1974ء سے پیشتر سلام پاکستان میں ایک مسلمان تھے

لیکن اس کے بعد اس ریاست میں غیر مسلم قرار پائے جہاں قانونی طور پر غیر مسلم درجہ دوم کے شہری ہوتے ہیں۔ پاکستان نیشنل پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعہ اپنے اخراج اور احمدیہ فرقہ سے تعلق کے باعث سلام نے صدر پاکستان کے سائنسی مشیر کے منصب سے استعفیٰ دے دیا۔ اگرچہ انھوں نے حکومت، سائنسی اداروں اور افراد کے ساتھ رابطے قائم رکھے لیکن عملی طور پر وہ کوئی ٹھوس اختیارات استعمال کرنے سے دستبردار ہو گئے۔

"اس جرم کو بھی شامل کرلو میرے معصوم گناہوں میں"

سلام نے اس اخراج کو کبھی تسلیم نہیں کیا بلکہ اس نے انہیں واضح طور پر اور بھی دیندار بنا دیا۔ اس کے بعد، میرے خیال کے مطابق، ان کے اندر اپنے ورثہ کے لئے زبردست جذبہ افتخار نمایاں ہونے لگا اور انھوں نے وہ کام کر دکھایا جو نہ کسی مسلم اور نہ ہی غیر مسلم نے کیا تھا۔ تاریخ کی خشک اور گرد آلود کتب میں سے انھوں نے ایک ہزار سال پیشتر کے عظیم مسلم دانشوروں کے سائنسی اور عقلی کارہائے نمایاں کو نسیاً منسیاً ہونے سے بچا لیا اور انھیں ثقافتی افتخار کی علامت بنا دیا۔ دوٹوک اہمیت کی بات یہ ہے کہ انھوں نے اس امر پر زور دیا کہ یہ کارہائے نمایاں استدلالی اور معقولی میدان سے تعلق رکھتے ہیں۔

مثال کے طور پر مجھے سلام کے ایک مقالے سے پہلی بار بارھویں صدی کے عرب محقق ابن الہیثم کے متعلق علم ہوا جنہیں مدت ہوئی ماہرین تاریخ کے علاوہ سب لوگ بھول چکے تھے۔ اور یہ کہ ابن الہیثم نے اصولِ فرمیٹ (FERMAT'S PRINCIPLE) کی پیش بینی کر لی تھی۔ اسی طرح سلام نے سٹاک ہوم میں نوبیل پرائز ملنے والی تقریب میں جو خطاب کیا اس کا آغاز مائیکل دی سکاٹ (MICHAEL THE SCOT) کے سفروں سے ہوتا ہے جو دور دراز سے چل کر علم و تعلم کی تلاش کرتا ہوا مسلم سپین کے مقام ٹالیڈو (TOLEDO) پہنچا تھا کیونکہ یہ چیزیں اس وقت بلا شرکت غیرے اسلامی علاقوں میں یکجا ہو گئی تھیں۔ سلام کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کے دلوں میں پھر سے فخر اور امید کی جوت جگائی جائے جو مدت ہوئی ان دونوں کو بھلا چکے تھے۔

کہاں تک سنو گے.....

میرے خیال کے مطابق سلام دیومالائی سیسے فس (SISYPHUS) تھے جو انسانی پیکر میں ڈھل گئے تھے۔ آپ اس داستان کو یاد کریں سیسے فس کو پلوٹو دیوتا نے یہ سزا دی تھی کہ وہ مستقلاً ایک بہت بڑی چٹان کو دھکیل کر ماؤنٹ اولمپس (MOUNT OLYMPUS) کے اوپر لے جائے۔ ہر بار جب وہ سخت مشقت کے بعد چوٹی پر پہنچتا تو چٹان واپس لڑھک آتی اور اسے پھر سے یہ عمل شروع کرنا پڑتا۔ اسی طرح جب تک ان کی طویل اور المناک بیماری نے سلام کو بے بس نہ کر دیا۔ سلام کو بھی یہ سزا ملتی رہی کہ وہ سائنسی ترقی کے لئے اپنی سکیمیں تسلسل اور دکھ کے ساتھ کبھی تسلیم نہ کرنے والے مذہبی تعصب کے پہاڑ کے اوپر دھکیلتے رہیں۔ بے رحم حقیقت تو یہ ہے کہ سلام آخر کار اسی فریق کے ہاتھوں پوری طرح مات کھا گئے جن کے اعلیٰ مقصد کی اتنی پر زور حمایت کا بیڑا انھوں نے اٹھایا تھا۔

ہر اشک جو آنکھوں سے نہ ٹپکے وہ گہر ہے۔

اب مجھے اپنا بیان سمیٹنے کی اجازت دیجئے۔ سلام نے اپنے وسعت حوصلہ کی خصوصی صفت کی بنا پر معاف کرنے اور بھول جانے کا طریق اختیار کیا۔ وہ بڑی آسانی سے تلخ و تند ہو سکتے تھے لیکن یہ غیر معمولی بات ہے کہ انھوں نے اس راستے کو اختیار نہیں کیا۔ ہمیں اس کا اعتراف اور توقیر کرنی چاہئے۔ اگرچہ سلام ثقافتی لحاظ سے بے لگام آزادی کے حق میں نہ تھے لیکن اس بات پر ضرور یقین رکھتے تھے کہ فقط وسیع النظر، متحمل مزاج اور مختلف نسلوں اور عقائد پر مشتمل معاشرے ہی سائنسی اور ثقافتی طور پر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اس لئے ہم

بقیہ صفحہ ۴۴ پر

معلومات

اکیڈیمی، الکحل اور الجبرا کی وجہ تسمیہ اور پس منظر

اکیڈمی Academy

یونان کا ایک مشہور شہر ایتھنز ہے۔ دیومالائی قصوں کے مطابق قدیم زمانے کی بات ہے کہ اس شہر کا ایک بہادر جوان تھیسیس (Theseus) ایک مرتبہ جنوبی یونان کے ایک قدیم شہر اسپارٹا (Sparta) میں موجود زیوس (Zeus) دیوتا کی خوبصورت بیٹی ہیلن (Helen) کو لے بھاگا۔ اس شہزادی کو بعد میں ٹرائے (ایشیائے کوچک کی ایک سلطنت) کے ایک شہزادے پارس نے اغوا کرلیا جس کے نتیجے میں یونانیوں اور ٹرائے کے شہریوں کے درمیان دس سال تک ایک زبردست جنگ لڑی گئی جو ٹروجنی جنگ (Trojan war) کے نام سے مشہور ہے۔ ہیلن کے بھائیوں کیسٹر (Castor) اور پولیڈوسس (Polydeuces) نے اپنی بہن کو ہر جگہ تلاش کیا۔ آخر کار ایتھنز ہی کے ایک باشندے اکیڈیمس (Academus) نے وہ جگہ تلاش کرلی جہاں اسے چھپایا گیا تھا۔ اسی وجہ سے ایتھنز اور اسپارٹا کے درمیان ہونے والی جنگوں میں اسپارٹا کے باشندے (جو کیسٹر اور پولیڈوسس کی بہت عزت کرتے تھے) جب بھی ایتھنز کی سلطنت پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے اکیڈیمس کی املاک کے علاقے کو ہمیشہ بچائے رکھا۔ یہ علاقہ ایتھنز کے جنوب مغرب میں تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ اس کا نام "اکیڈیمیا" (Academeia) رکھا گیا۔ اس طرح سے یہ علاقہ جنگ و جدل کے زمانے میں بھی امن کی ایک علامت بن گیا۔

مشہور یونانی فلسفی افلاطون اکیڈیمیا کے قریب ہی رہتا تھا۔ وہ نہ صرف اپنے شاگردوں کے ساتھ اکثر اس پر لطف مقام پر جایا کرتا تھا بلکہ یہاں اس نے انہیں پچاس سال تک فلسفے کی تعلیم بھی دی۔ پھر اس کے جانشین مزید آٹھ سو سال تک یہاں علم حاصل کرتے رہے۔

اسی سے آج کل استعمال ہونے والا Academy (اکیڈمی) کا لفظ نکلا۔ اگرچہ یہ زمانہ قدیم کی مشہور ترین درس گاہ کا نام تھا۔ لیکن آج بھی کچھ درس گاہوں کے ناموں کے ساتھ اسی کی مناسبت سے "اکیڈمی" کا لفظ آتا ہے۔ اب یہ اصطلاح عام طور پر ایسے پرائیوٹ تعلیمی اداروں کے لئے مستعمل ہے جو طلباء کو تعلیم دے کر کالج کے درجے تک پہنچاتے ہیں۔

اسی سے Academic (اکیڈیمک) کی اصطلاح نکلی ہے۔ اس کا اطلاق عام طور پر ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس کا تعلق ایسے تعلیمی اداروں سے ہو اور خاص طور پر یہ اس طریقہ تعلیم کے لئے مستعمل ہے جس کی حوصلہ افزائی یہ ادارے کرتے ہیں۔ افلاطون کا فلسفہ چونکہ خاصی حد تک نظری اور قیاسی مسائل سے متعلق ہوتا تھا یعنی روز مرہ کے علمی معاملات سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے آج بھی "academic" سوال سے مراد ایسا سوال کیا جاتا ہے جس کے علمی طور پر کوئی معنی نہ ہوں اور جس کی دلچسپیاں صرف اور صرف نظری معاملات سے ہوں۔

دوسرے قدیم فلاسفہ نے بھی اپنے اپنے تعلیمی مقامات کے نام زبان میں داخل کئے ہیں۔ مثال کے طور پر ارسطو اپنے شاگردوں کو ایک جمنیزیم میں پڑھایا کرتا تھا۔ اس کو وہ Lykeion کہا کرتا تھا۔ اب اسے Lyceum (لائسیم) کہا جاتا ہے۔ اس کا یہ نام نزدیک ہی موجود اپالو دیوتا کے مندر کی وجہ سے رکھا گیا تھا۔ اس دیوتا کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ "بھیڑوں کو مارنے" کی بے پناہ سکت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے "Lykeios" کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا جو غالباً یونانی زبان کے "Lykos" (بھیڑیا) سے نکلا ہے۔ چنانچہ اب بھی

لائسیم کا لفظ ایک خاص طرز کے سکول یا لیکچر ہال کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ امریکہ میں اگرچہ یہ لفظ اکیڈمی جتنا مقبول نہیں ہے لیکن فرانس میں ہائی سکول کو Lycee ہی کہا جاتا ہے۔

ایتھنز ہی میں زینو (Zeno) نامی ایک اور فلسفی لوگوں کو فلسفے کی تعلیم دیتا تھا۔ یہ جس جگہ اپنے شاگردوں کو پڑھاتا تھا اسے وہ Stoa Poikile (یونانی زبان میں اس کے معنی ہیں "رنگ و روغن سے مزین بارہ دری") کہتا تھا۔ اسی مناسبت سے فلسفے میں اس کے مکتبہ فکر کو Stoicism (رواقیت، رواق، بمعنی پیش دالان یا بارہ دری) کہا جاتا ہے۔ وہ لوگوں کو تعلیم دیتا تھا کہ ابدی اور حقیقی خوشی کے حصول کے لئے انہیں عارضی خوشی یا غمی کے جذبات کو قابو میں رکھنا چاہئے۔ چنانچہ آج بھی جو آدمی اپنے جذبات کا اظہار نہ کرے اسے Stoic (رواقی یعنی زینو کا چیلا) کہا جاتا ہے۔

الکحل Alcohol

عورتوں میں پلکوں کو سیاہ کرنے کا رواج کئی صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ جس کا مقصد غالباً یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح ان کی آنکھیں بڑی اور چمک دار نظر آئیں۔ عربی عورتیں بھی اس مقصد کیلئے ایک باریک پسا ہوا سفوف استعمال کرتی تھیں اور اس سفوف کے لئے عربی میں "الکحل" کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ اس لفظ کے معنی "سرمے کی طرح باریک" ہیں۔ پھر ازمنہ وسطیٰ کے کیمیا دانوں نے کسی بھی قسم کے باریک سفوف کے لئے اس لفظ کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس کا اطلاق خاص طور پر اتنے باریک سفوف پر ہوتا تھا کہ جسے محسوس نہ کیا جا سکے۔

پھر سولہویں صدی کے ابتدائی سالوں میں ہی کسی وقت کیمیا دانوں نے اس اصطلاح کو ایسے بخارات کے لئے استعمال کرنا شروع کیا جنہیں مخصوص مائعات میں سے باہر نکالا جا سکتا تھا۔ یہ بخارات بھی ناقابل محسوس تھے۔ اسی طرح جب وائن (Wine) یعنی شراب کو گرم کیا جاتا تھا تو اس سے بخارات نکلتے تھے۔ پہلے پہل ان بخارات کو "الکحل آف وائن" کہا جاتا تھا پھر آہستہ آہستہ اسے صرف "الکحل" ہی کہا جانے لگا۔

جب وائن کو گرم کیا جاتا ہے تو اس میں موجود الکحل پانی کی نسبت زیادہ آسانی سے ابلتا ہے۔ اس کے بخارات میں الکحل کا ارتکاز اس سے زیادہ ہوتا ہے جتنا کہ اس وائن میں پہلے سے موجود تھا۔ اب اگر ان بخارات کو ٹھنڈا کیا جائے تو اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا مائع پہلے والی وائن سے زیادہ تیز اور طاقتور ہوگا۔ اس عمل کو "distillation" یعنی عمل کشید کہا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح لاطینی زبان کے دو لفظ "do" (نیچے) اور "stilla" (ایک چھوٹا قطرہ) کا مجموعہ ہے۔ اور اس عمل کے نتیجے میں دراصل ہوتا بھی یہی ہے کہ بخارات جب ٹھنڈے ہوتے ہیں تو یہ چھوٹے چھوٹے ٹھنڈے قطروں کی صورت میں جمع ہو کر نیچے رکھے ہوئے کسی برتن میں گرتے ہیں۔ اس طریقے سے مرتکز ہونے والے الکحلی مشروبات کو کشیدی شراب (distilled liquors) کہا جاتا ہے۔ اور اس عمل کے لئے استعمال میں آنے والے آلے کو آلہ کشید یا انبیق (Still) کہتے ہیں۔ درحقیقت عمل کشید اس لحاظ سے ایک ایسا اہم کیمیائی طریقہ عمل ہے جس کے ذریعہ سے بہت سی اقسام کے مائعاتی آمیزوں میں سے منفرد مرکبات کو الگ الگ کیا جا سکتا ہے۔

الجبرا Algebra

نویں صدی عیسوی کے معروف مسلم ریاضی دان الخوارزمی نے غالباً ۸۲۵ میں اپنی معرکتہ الآرا کتاب "الجبر والمقابلہ" لکھی تھی۔ اس کتاب میں اس نے یک درجی اور دو درجی مساواتوں کے حسابی حلوں، ابتدائی ہندسہ اور تقسیم کے مسائل کے حل کے لئے قوانین منضبط کئے تھے۔ بارہویں صدی عیسوی میں اس کتاب کا لاطینی میں ترجمہ ہوا۔ یوں اہل یورپ کو الجبرے سے متعارف کروانے کا سہرا خوارزمی کے سر ہے۔ اس کے دریافت کردہ قاعدے اور قوانین آج تک سکولوں اور کالجوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔

اس کتاب کے عنوان میں "الجبر" (جس کا لغوی مفہوم "تکمیل" ہے) سے مراد منفی مقدار کو ساقط کرنا اور "المقابلہ" کا

مطلب متوازن کرنا ہے۔ کتاب کا پورا نام "کتاب المختصر فی حساب الجبرو المقابلہ" تھا جو بعد میں مختصر ہو کر "الجبر" رہ گیا اور پھر رفتہ رفتہ اس موضوع پر لکھی جانے والی دوسری عربی تصانیف کو بھی "الجبر" ہی کہا جانے لگا۔ بعد میں یہ لفظ ترجموں کے ذریعے لاطینی زبان کا حصہ بنا اور لاطینی سے پھر انگریزی میں آیا۔ انگریزی لفظ algebra الجبر ہی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

ایک اور نقطہ نظر کے مطابق عربی کا لفظ "الجبر" اصل میں ال (اسم معرفہ کی علامت) اور جبر (ٹوٹی ہوئی چیز کو دوبارہ جوڑنا) کا مجموعہ ہے۔ کسی زمانے میں ان الفاظ کے معنی "ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے جوڑ بٹھانا" ہوتا تھا۔ پھر اسی سے انہوں نے ایک نئی سائنس "علم الجبرو المقابلہ" کی بنیاد رکھی جس کا مطلب "مساواتوں کے ذریعے تکمیل و توازن" ٹھہرا۔ اطالویوں نے ترجمہ کرتے ہوئے اسے "الجبرا" کا نام دیا۔ یہاں تک کہ سترہویں صدی عیسوی میں بھی اس سے مراد "ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنا" لیا جاتا تھا اور آج بھی عرب کی مستند لغات میں اس کے یہ معنی ملتے ہیں۔ تاہم عام آدمی اور طلبا اس کو ایک ریاضیاتی علم ہی سمجھتے ہیں۔

آج کے الجبرے میں حساب کی طرح تعداد اور مقدار سے واسطہ پڑتا ہے البتہ حساب اور الجبرے میں فرق یہ ہے کہ حساب میں مقدار کو ایسے ہندسوں سے واضح کیا جاتا ہے جن کی قیمت مقرر ہوتی ہے۔ مگر الجبرے میں مقدار کو ظاہر کرنے کیلئے ہندسوں کے بجائے حروف استعمال کئے جاتے ہیں۔

الخوارزمی ہی کے حوالے سے ریاضی کے علم میں ایک اور اصطلاح algorithm یا algorism (الخوارزمیت) استعمال ہوتی ہے۔ کسی خاص قسم کے مسئلے کے حل کا کوئی مخصوص، مفصل لیکن جامع طریقہ، جس میں جزئیات کے علاوہ پیش آنے والی مشکل صورت حال سے نمٹنے کے لئے طریقہ کار بھی بتلایا گیا ہو۔ الخوارزمیت کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر عاد اعظم معلوم کرنے کا اصول' قرون وسطیٰ میں اس اصطلاح کا اطلاق ہندی عربی اعداد کے حساب پر ہوتا تھا۔ اس دور میں گنفتارے (Abacus) کے حامی گنفتارے پر حساب کرتے تھے جب کہ الخوارزمیت کی حمایت کرنے والے الخوارزمیت کے طریقے سے حساب کتاب کرتے تھے۔

آج کل اس طریقے کو کمپیوٹر میں بھی خاص استعمال کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ کمپیوٹر کی وہ زبان جس میں جمع تفریق وغیرہ کے حساب کے طریقہ کار کر بالکل ٹھیک طور پر ظاہر کیا جا سکے Algorithmic language کہلاتی ہے۔ اس کو مختصر Algol بھی لکھا جاتا ہے۔ کمپیوٹر کی اس زبان میں دراصل الخوارزمیت کے طریقہ عمل کو استعمال کیا گیا ہے اور اس کا زیادہ تر استعمال سائنسی مسائل کی پروگرامنگ میں ہوتا ہے۔ کمپیوٹر پروگرامنگ کی ایک زبان کا دوسری زبان میں کمپیوٹر پر ترجمہ کرنے کا مرحلہ وار طریقہ algorithm translation کہلاتا ہے۔

(بحوالہ سائنسی اصطلاحات اور ان کا پس منظر صفحہ ۹ تا ۱۷ شائع کردہ اردو سائنس بورڈ)

بقیہ از صفحہ ۳۶

کرے۔ آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے یاد رکھا۔ اور یہ انتہائی قیمتی اور انمول تحفہ ارسال فرمایا۔"

○ مکرم افتخار علی قریشی صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ۔

"بہت خوبصورت' دیدہ زیب تصاویر سے مزین' تاریخ صحیحہ کا جامع' دانستہ تاریخی اغلاط کا مصلح اور تاریکی کے دور میں روشن ستاروں سے جگمگاتا ہوا چراغ ہے۔"

○ مکرم حنیف احمد محمود صاحب مربی جماعت احمدیہ ضلع لاہور۔

"ماہنامہ خالد "گولڈن جوبلی پاکستان نمبر" اپنی خوبصورتی اور انتہائی چمک دمک کے ساتھ آیا۔ نادر فوٹوز اور دستاویزات پر مشتمل ہے۔"

○ مکرم نذیر احمد خادم صاحب

"جس قدر دیدہ زیب اور دلکش و حسین و جمیل ظاہری شکل و صورت ہے اس سے کہیں بڑھ کر اس کے مضامین عمدہ و اعلیٰ اور باطنی حسن وکشش سے مالا مال ہیں۔ خاکسار بہت ہی وفور مسرت سے آپ کی خدمت میں اور ادارہ خالد اور معزز مقالہ نگاروں اور اس فخریہ تاریخی دستاویز کی تیاری میں تعاون کرنے والے جملہ خوش نصیبوں کی خدمت میں ہدیہ تہنیت پیش کرتے ہوئے اجر حسنہ کی دعا کرتا ہے۔"

(یہ تمام خطوط محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ کے نام موصول ہوئے تھے۔)

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی

چار زبانوں کے ماہر

(مکرم محمود مجیب اصغر صاحب)

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کے چوٹی کے ساتھیوں میں سے تھے آپ ان ناصرینِ دین میں سے تھے جنہیں حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کے ساتھ مل کر مقدور بھر خدمات کی توفیق ملی۔ تقریر اور تحریر میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے آپ نے حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب (جو حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت صاحب کے پہلے جانشین اور عالمگیر جماعت احمدیہ کے امام ہوئے) کے ذریعے احمدیت قبول کی تھی۔ ایک مکتوب گرامی میں حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ نے حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کو تحریر فرمایا

"..... میری جماعت میں آپ دو ہی آدمی ہیں جنہوں نے میرے لئے اپنی زندگی دین کی راہ میں وقف کر دی ہے ایک آپ ہیں اور ایک مولوی حکیم نورالدین صاحب۔ ابھی تیسرا آدمی پیدا نہیں ہوا" (سیرت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ مصنفہ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی صفحہ ۹۵، ۹۶)

آپ 47 سال کی عمر میں 11 اکتوبر 1905ء کو وفات پا گئے۔ آپ کی وفات پر حضرت بانی سلسلہ اور ساری جماعت کو شدید صدمہ ہوا۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے آپ کی وفات کے بعد ایک موقع پر فرمایا۔

"مولوی صاحب ہر تقریب اور ہر جلسہ پر یاد آجاتے ہیں ان کے سبب لوگوں کو فائدہ ہوتا تھا وہ بڑی زبردست تقریر کرنے والے تھے۔ میں نے مقابلہ کر کے خوب دیکھا ہے ان کے اندر محبت اور اخلاص کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا" (اخبار الحکم ۳۰ نومبر ۱۹۰۵ء)

آپ کی علمی قابلیت کے بارہ میں ایک بار حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحب نے اپنی خلافت کے دوران فرمایا۔ "مولوی عبدالکریم صاحب جب پہلے پہل مجھ سے ملے تو ان کی بہت چھوٹی عمر تھی پتلے اور بہت صاف دل تھے میں نے ان سے جموں میں کہا کہ تم میرے پاس آیا کرو۔ مولوی صاحب چار زبانیں جانتے تھے۔ انگریزی، عربی، فارسی، اردو۔ میں نے اس وقت تک اپنی جماعت میں کوئی شخص دیکھا نہیں جو ان کی طرح اچھی طرح چار زبانیں جانتا ہو۔" (مرقاۃ الیقین فی حیات نورالدین صفحہ ۲۵۰)

حضرت پیر سراج الحق نعمانی صاحب نے بھی آپ کو قریب سے دیکھا۔ وہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی (اللہ ان سے راضی ہو) نے دہلی میں مباحثہ سے ایک روز پیشتر قصیدہ نعتیہ مندرجہ براہین احمدیہ فارسی لب ولہجہ میں سنایا تھا۔ اُس وقت سے ان کی حالت ذوق و شوق زیادہ بڑھ گئی اور پھر دوسری بار دوسرے روز حضرت مولوی صاحب سے درخواست کی کہ ایک دفعہ اور وہی قصہ اس طرز میں سنائیں مولوی صاحب نے پھر سنایا۔

مولوی صاحب کا پڑھنا عجیب و غریب پڑھنا ہوتا تھا۔ فارسی پڑھتے تو بالکل فارسیوں کے لب ولہجہ میں کہ گویا کوئی ایرانی یا شیخ سعدی و نظامی وغیرہ بول رہے ہیں۔ اور جو اردو پڑھتے تو اسی لب ولہجہ میں اور جو

عربی پڑھتے تو بالکل عرب معلوم ہوتے تھے اور جو پنجابی نظم و نثر پڑھتے تو ہو بہو پنجابی ادا ہیں اور جو انگریزی پڑھتے تو عین انگریزی طرز میں پڑھتے تھے کہ گویا ایک یورپین انگریز بول رہا ہے اور جو قرآن شریف پڑھتے تو بالکل عرب معلوم ہوتے تھے اور جو وعظ یا خطبہ پڑھتے تو اس میں کمال تھا کہ سننے والے ذوق و شوق میں محو و مستغرق ہو جاتے تھے اور آپ کی تحریر تو بے نظیر تھی اور وہ تو موجود ہی ہے اس کا بیان کیا ہو سکتا ہے۔ پڑھنے والوں پر خود ظاہر ہے"

(تذکرۃ المھدی حصہ اول مصنفہ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی صفحہ ۱۹)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اپنے بچپن کے خیالات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میں ان کے پُر زور خطبوں کا مداح تھا اور ان کی محبت اور ان کی محبتِ مسیح موعود کا معتقد تھا۔" (الحکم جوبلی نمبر دسمبر 1939ء صفحہ 11)

آپ کے ایک رشتہ دار کے نکاح کے موقعہ پر فرمایا:

"(بیت) المبارک کے پرانے حصہ کی اینٹیں اب بھی ان کی زور دار تقریروں سے گونج رہی ہیں" (غیر مطبوعہ خطبہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے 1966ء میں حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کی وفات پر خطبہ جمعہ میں اس امر کا ذکر فرمایا کہ الٰہی سلسلوں میں اللہ ہر دور میں ایسے ناصرین دین عطا فرماتا رہتا ہے جو پہلے لوگوں کے قائمقام ہوتے ہیں حضرت خلیفہ المسیح الثالث نے حضرت مولانا میر محمد اسحاق صاحب، حضرت حافظ روشن علی صاحب وغیرہ کو اور حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس اور حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری وغیرہ کو حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کا قائمقام قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کی طرح کے ہزاروں ناصرین دین سلسلہ عالیہ احمدیہ میں پیدا فرماتا رہے۔ جو ایسی ہی محبت اور سلسلہ کی تڑپ دل میں رکھتے ہوں اور اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کے درجات بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے۔ آمین

بقیہ از صفحہ 26

میں سے ہر ایک کی طرف سے پروفیسر سلام کے لئے بہترین خراج تحسین یہ ہوگا کہ ہم اپنے اپنے طور پر ایک عالمی معاشرے کی تعمیر کے لئے کام کریں جو ہمارے کرہ ارض کے ہر باسی کو برابر موقع مہیا کرے۔ تنوع اور تخلیقی قوت کی حوصلہ افزائی کرے اور مذہبی عقائد کی بلا خوف و ہراس پیروی کرنے کی اجازت دے۔

قارئین کرام! آپ نے حقیقت حال سے واقف کار اور بالغ نظر پروفیسر ہود بھائی کا درد آمیز اور رقت انگیز بیان پڑھا یہ ایک حقیقت ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کی بحیثیت ایک عظیم سائنسدان اور عظیم تر انسان کے کُل عالم کے خلوص و دردمندی کی بے پناہ داستانیں ہر طرف عام ہیں لیکن عالمِ اسلام اور وطنِ عزیز پاکستان کے لئے ان کا والہانہ اور سر فروشانہ جذبہ تعمیر و خدمت خاص طور پر انمٹ اور انتھک تھا۔ اس کے مقابل پر جب ادھر سے بے مہری اور بے قدری کی افسوس ناک مثالیں اور چشمدید گواہیاں سامنے آتی ہیں تو بے اختیار حضرت مظہر جان جاناں کا یہ درد بھرا شعر یاد آتا اور دل کو رلاتا ہے:

بہ لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بیگناہی نیست تقصیرے

میری قبر کی لوح پر غیب سے یہ تحریر پائی گئی کہ اس مقتول کا اس کے سوا کوئی قصور نہیں کہ وہ بے گناہ ہے۔

آپ کا خط ملا

جنوری ۹۸ء سے اس وقت تک قارئین کے بے شمار خطوط موصول ہوئے۔ دفتر کی طرف سے ہر خط کی رسیدگی سے مطلع کر دیا جاتا ہے۔ ان میں سے بے شمار خطوط ایسے مواد پر مشتمل ہوتے ہیں جو اشاعت کے قابل نہیں ہوتے۔ فرداً فرداً ان کا جواب دینا مشکل ہے۔ ان کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ جولائی ۹۸ء کا خالد ملاحظہ فرمائیں جس میں "مضمون نگاروں کیلئے ہدایات" شائع ہوئی ہیں۔ اور گاہے گاہے شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اس دوران خالد کے "گولڈن جوبلی پاکستان" اور "ڈاکٹر عبدالسلام نمبر" کی اشاعت پر قارئین کے بے شمار خطوط اور زبانی بھی پسندیدگی کے تبصرے موصول ہوئے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ ان میں سے چند خطوط شائع کئے جا رہے ہیں۔

O ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ رسالہ خالد اور الفضل میں ماہنامہ خالد "ربوہ نمبر" کے متعلق اعلان کیا گیا تھا اور احباب کی خدمت میں مضامین لکھنے کی درخواست کی گئی تھی اور بعض احباب و بزرگان کی خدمت میں تحریراً بھی درخواست کی گئی تھی۔ کچھ مضامین موصول ہو چکے ہیں اور کچھ آ رہے ہیں۔ ان سب کی خدمت میں یہ درخواست ہے کہ سردست یہ نمبر ملتوی کیا جا رہا ہے۔ البتہ آپ کے مضامین جو کہ کچھ کمپوز بھی ہو چکے ہیں تمام کے تمام محفوظ ہیں امید ہے کہ انشاء اللہ جلد یا بدیر یہ نمبر شائع ہونے پر وہ مضامین اس میں شائع ہوں گے۔ آئندہ شمارہ میں ان تمام احباب کے نام بھی شائع کئے جائیں گے جن کے مضامین موصول ہوئے ہیں۔

گولڈن جوبلی پاکستان نمبر اور ڈاکٹر عبدالسلام نمبر

ان نمبروں کے متعلق بزرگان کی رائے:۔

O حضرت مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعتہائے صوبہ پنجاب

"ماشاء اللہ بہت عمدہ ہے اس کی تیاری میں حصہ لینے والے خدام اور مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کو اللہ تعالیٰ بیش از پیش جزا دے۔"

O مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید۔ صدر مجلس انصار اللہ پاکستان

"رسالہ بڑی عمدگی سے ترتیب دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان، آپ کو اور آپ کے رفقاء کار کو جزائے خیر عطا کرے اور اس نمبر کو نافع الناس بنائے۔"

O مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب مورخ احمدیت

"موقر رسالہ خالد کے ڈاکٹر عبدالسلام نمبر کی اشاعت پر مبارکباد۔ براہ کرم ادارہ خالد کے جملہ معزز ارکان اور مہتمم اشاعت خصوصاً مدیر خالد کی خدمت میں ھدیہ تشکر پہنچا کر ممنون احسان فرمائیں۔"

O محترم مولانا سلطان محمود انور صاحب ناظر اصلاح و ارشاد مرکزیہ

"ڈاکٹر صاحب کے متعلق نمبر کی مبارکباد پیش ہے۔ ماشاء اللہ خوب محنت اور توجہ سے رسالہ مرتب کیا گیا ہے۔......

O مکرم حافظ مظفر احمد صاحب۔ ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد۔ سابق صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

"ماشاء اللہ بڑا اچھا نمبر نکالا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اور تمام کارکنان کو جنھوں نے رسالہ کی تیاری کے سلسلہ میں کام کیا ہے احسن جزا عطا

فرمائے اور اپنے فضلوں اور رحمتوں سے ہر آن نوازتا رہے۔"

○ مکرم محبوب عالم خالد صاحب ناظر بیت المال آمد

"رسالہ ڈاکٹر عبد السلام نمبر گرانقدر تحفہ ملا۔ ماشاء اللہ آپ بہت محنت اور لگن سے کام کر رہے ہیں.........."

○ مکرم محمد عبد الخالق صاحب کرنل (ر)۔ ایڈ منسٹریٹر فضل عمر ہسپتال

"آپ کی طرف سے رسالہ خالد کا تحفہ جو بطور خاص ڈاکٹر عبد السلام نمبر شائع ہوا ملا۔ آپ کا بہت شکریہ۔ یہ آئندہ لکھنے والوں کے لئے بھی مفید معلومات مہیا کرے گا۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوشش کو قبول فرمائے۔"

○ محترم ڈاکٹر صاحب کی ہمشیرہ صاحبہ والدہ مبشر احمد صاحب ملک سابق قائد علاقہ کراچی۔

"نہایت ہی محبت سے ارسال کردہ رسالہ خالد ڈاکٹر عبد السلام نمبر ملا۔ اس کو کھولا مجھے گردو پیش کا کچھ علم نہ رہا اور میری آنکھیں رسالہ پڑھنے اور برسنے میں لگ گئیں۔ نہ جانے کیا کیا سامنے آتا رہا اور اتنا ہوا کہ لاہور حمید بھائی کو فون کر کے بتایا کہ بہت ہی خوبصورت نمبر مجھے ملا ہے۔ آپ سب کی محنت اور محبت کا شکریہ ادا کرنا میرے لئے ضروری تھا آپ سب نے ہر مضمون کو بہت ہی موزوں عنوان میں سجایا آپ نے اور آپ کے جملہ رفقاء کار نے جتنی محنت کی ہے یہ رسالہ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔"

○ مکرم عبد الماجد صاحب ویانا آسٹریا سے تحریر فرماتے ہیں۔

"اللہ کے فضل سے خالد کا ڈاکٹر عبد السلام نمبر بہت عمدہ چھپا ہے ہر لحاظ سے بہت ہی اچھا ہے آپ نے واقعی بہت محنت کی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر سے نوازے۔ آمین"

○ مکرم چوہدری نذیر احمد صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ ضلع بہاولپور

"بہت عمدہ کوشش ہے تاریخ ایک جگہ کر دی ہے اس یادگاری نمبر کی تیاری کرنے والوں اور خدمت کرنے والوں کو سلام۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کو قبول فرمائے۔"

○ مکرم ایاز محمود صاحب کرنل (ر)۔ صدر عمومی۔ ربوہ

"رسالہ خالد کا ڈاکٹر عبد السلام نمبر موصول ہوا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ رسالہ ہر اہم موقع اور شخصیات پر بے نظیر پیشکش کے ساتھ پڑھنے والوں کو علمی جلاء اور تسکین مہیا کرتا ہے ایسے مواقع پر مضامین کا انتخاب اور ان میں تحقیق کا پہلو نمایاں حیثیت کے ساتھ اشاعت کو قابل رشک بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ رسالہ خالد کے مدیر اور ان کے رفقاء کو آپ کی راہنمائی میں مزید خدمات کی توفیق اور اعلیٰ جزا عطا فرمائے۔"

○ مکرم ملک جمیل الرحمٰن صاحب رفیق۔ سیکرٹری حدیقۃ المبشرین۔

"اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جزائے خیر دے جنہوں نے آپ کی زیر قیادت اس شاندار نمبر کو ترتیب دینے کی کوشش کی ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ تیزی سے سرسری جائزہ لیا ہے ماشاء اللہ عمدہ ہے۔"

○ مکرم محمد اسماعیل منیر صاحب۔ ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد (تعلیم القرآن)

"رسالہ بہت عمدہ ہے دو مرتبہ پڑھ چکا ہوں........ اللہ تعالیٰ سب کام کرنے والوں کو جزائے احسن عطا فرمائے۔ آمین"

○ مولانا محمد صدیق صاحب گورداسپوری نائب وکیل التبشیر

"مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے شائع کردہ رسالہ خالد کا ڈاکٹر عبد السلام نمبر ملا۔ جسے میں نے اول سے آخر تک مطالعہ کیا۔ رسالہ میں جس رنگ میں آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے اور ایک قاری کیلئے آپ کے بارے میں جو معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں وہ ایک نہایت ہی قابل صد ستائش کام ہے۔....... دلی مبارک باد کے مستحق ہیں۔"

○ مکرم محمد عبد اللہ قریشی صاحب آڈیٹر۔

"رسالہ خالد کا ڈاکٹر عبد السلام نمبر ملا۔ یہ ایک تاریخی ریکارڈ ہے جسے آپ کی صدارت کے دوران مرتب کرنیکی توفیق ملی ہے کہ بے ساختہ ان کے لئے دعا کی توفیق انشاء اللہ ملتی رہے گی۔"

○ استاذی المکرم پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب۔ وکیل وقف نو نے تحریر فرمایا:۔

"ابھی ابھی مرحوم و مغفور ڈاکٹر سلام صاحب کا نمبر ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ آپ نے حق ادا کر دیا۔ ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ مبارک

بقیہ صفحہ 31 پر

ردِّ دہریت

ہستی باری تعالیٰ فطرت کی آواز ہے

دہریت کی کوئی ٹھوس علمی بنیاد نہیں

تجھے دُنیا میں ہے کس نے پکارا ❖ کہ پھر خالی گیا قسمت کا مارا

(مضمون نگار:۔ مکرم محمود احمد صاحب اشرف۔ ربوہ)

دہریت کے معنی خدا تعالیٰ کی ہستی کے انکار کے لئے جاتے ہیں۔ یعنی یہ دعویٰ کرنا کہ اس کائنات کا کوئی خدا نہیں ہے۔ عرف عام میں دہریت کہلاتا ہے۔ دہریت کو عموماً فلسفیوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ ایسے آفاقی مسائل پر عقلی اور منطقی رنگ میں بحث فلسفے کا ایک بڑا موضوع ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ فلسفیوں نے خدا تعالیٰ کی ہستی کے موجود نہ ہونے کا کھلا دعویٰ کیا ہے لیکن درحقیقت یہ بات درست نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ایسا دعویٰ کرنا عقل سلیم ہی نہیں بلکہ عقل صحیح کیلئے بھی ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر کہیں ہستی باری تعالیٰ کا انکار کیا گیا ہے تو یہ محض ایک جاہلانہ بات ہے فلسفے اور حکمت و دانائی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بات البتہ ضرور درست ہے کہ بعض فلسفیوں کو خدا تعالیٰ نظر نہیں آیا یا بعض مکاتب فکر میں کائنات کے ایک خدا کا وہ تصور نہیں پایا جاتا جو مذاہب سے ہمیں ملتا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ بعض فلسفیوں نے خدا تعالیٰ کی بعض صفات کا انکار کیا ہے مثلاً بعض نے کہا کہ خدا خالق نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسے فلسفی بھی ہوئے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کیا اور بعض ایسے بھی تھے جو مسلمان صوفیا کے انداز میں قریباً وحدت الوجود کے قائل تھے۔ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ کہنا کہ دہریت فلسفے میں ایک باقاعدہ مکتبہ فکر ہے درست نہیں ہے۔ قدیم زمانے کے فلسفیوں کے لحاظ سے بھی یہ بات غلط ہے مگر اب سائنس کے زیر اثر جو فکری افق وسیع تر ہوئے ہیں ان میں خدا تعالیٰ کی ہستی کے انکار کا دعویٰ اور بھی زیادہ غلط ہو گیا ہے۔ کیونکہ کائنات کی بے پناہ وسعتوں اور لامحدود امکانات کو دیکھ کر ایک فکری انکسار پیدا ہوا ہے اور اب ہستی باری تعالیٰ کے متعلق اپنے عدم علم کے اقرار کو سائنسی انداز فکر کے نزدیک تر سمجھا جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ کے انکار کی وجہ اس کی معرفت کے صحیح راستے سے لاعلمی ہے

دہریت کی کوئی ٹھوس علمی بنیاد نہ بھی ہو پھر بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا عملاً خدا تعالیٰ کے انکار سے بھری پڑی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کو علمی طور پر بھی ویسے نہیں سمجھا گیا جیسے کہ سچے مذاہب نے بیان کیں۔ پس سب سے پہلے ضروری امر یہی ہے کہ خدا کی ذات کا صحیح علم اور اس تک رسائی کا صحیح راستہ معلوم کیا جائے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو اس زمانے میں اسی غرض کے لئے تشریف لائے ہستی باری تعالیٰ کی معرفت کا صحیح راستہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"قانون قدرت بتلا رہا ہے کہ ہر ایک چیز کے حصول کے لئے ایک صراط مستقیم ہے اور اس کا حصول اسی پر قدرتاً موقوف ہے۔ مثلاً اگر ہم ایک اندھیری کوٹھڑی میں بیٹھے ہوں اور آفتاب کی روشنی کی ضرورت ہو تو ہمارے لئے یہ صراط مستقیم ہے کہ ہم اس کھڑکی کو کھول دیں جو آفتاب کی طرف ہے۔ تب یک دفعہ آفتاب کی روشنی اندر آ کر ہمیں منور کر دے گی۔ سو ظاہر ہے کہ اسی طرح خدا کے سچے اور واقعی فیوض پانے کے لئے بھی کوئی کھڑکی ہوگی اور پاک روحانیت کے حاصل کرنے کیلئے کوئی خاص

طریق ہوگا اور وہ یہ ہے کہ روحانی امور کے لئے صراط مستقیم کی تلاش کریں جیسا کہ ہم اپنی زندگی کے تمام امور میں اپنی کامیابیوں کے لئے صراط مستقیم کی تلاش کرتے رہتے ہیں۔ مگر کیا وہ یہ طریق ہے کہ ہم صرف اپنی ہی عقل کے زور سے اور اپنی ہی خود تراشیدہ باتوں سے خدا کے وصال کو ڈھونڈیں۔ کیا ہماری اپنی ہی منطق اور فلسفہ سے اس کے وہ دروازے ہم پر کھلتے ہیں جن کا کھلنا اس کے قوی ہاتھ پر موقوف ہے۔ یقیناً سمجھو کہ یہ بالکل صحیح نہیں ہے۔ ہم اس حی و قیوم کو محض اپنی ہی تدبیروں سے ہرگز نہیں پاسکتے بلکہ اس راہ میں صراط مستقیم صرف یہ ہے کہ پہلے ہم اپنی زندگی معہ اپنی تمام قوتوں کے خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کرکے پھر خدا کے وصال کے لئے دعا میں لگے رہیں تا خدا کو خدا ہی کے ذریعے پاویں۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۶۶، ۶۷)

ہستی باری تعالیٰ کے متعلق جب عوام الناس بالخصوص جوشیلے نوجوان اپنے نو خیز ذہن کے ساتھ بحث کرتے ہیں اور اطمینان نہیں پاتے تو اس کے پس منظر میں خدا تعالیٰ کے متعلق ان کا ایک محدود تصور ہوتا ہے۔ یوں تو خدا کا ہر تصور ذہن انسانی کی نسبت سے محدود ہی ہوگا مگر مراد یہ ہے کہ جو وسیع تصور ذہن انسانی میں آسکتا ہے نو خیز ذہن اس کو بھی پوری طرح سمجھ نہیں رہے ہوتے۔ وہ خدا تعالیٰ کی لطیف اور ہمہ گیر ذات کے متعلق صحیح فکری خاکہ بنانے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ان کا ذہن قرآن کریم کی بیان کردہ اس تشبیہ کو کہ خدا تعالیٰ کائنات کا نور ہے اس کے وسیع تر معنوں میں سمجھ نہیں سکتا۔ جو محدود تصور وہ رکھتے ہیں اس کو ہی درست جان کر اس کے متعلق شکوک و شبہات کا شکار ہو رہے ہوتے ہیں۔ غالباً ایسے ہی لوگوں کے متعلق ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے خدا تعالیٰ کی ہستی پر بحث کرنے کو ناپسند فرمایا تھا۔

جہاں تک ان چند فلسفیوں کا تعلق ہے جن کے انکار میں دہریت کی جڑیں موجود ہیں وہ عقل کے متعلق ایک شعوری یا لاشعوری تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں چونکہ ان کی ذات کی فضیلت ان کی دانست میں ان کی عقل سے ہی وابستہ ہوتی ہے اس لئے وہ عقل کو محدود اور ناقص تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتے اور چاہتے ہیں کہ جیسے ان کے حواس اور ان کا شعور مادی اشیاء کی حدود کو دیکھ رہا ہے ایسے ہی وہ اپنی عقل کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی ذات کا بھی بیٹھے بیٹھے ایک قسم کا احاطہ کرلیں۔ مگر افسوس صد افسوس کہ جس خدا کو وہ تلاش کرتے رہے وہ تو اسلام کا خدا ہی نہیں بلکہ کسی بھی سچے مذہب کا خدا نہیں ہے۔ جن راہوں پر وہ خدا کی معرفت کے حصول کے لئے چلتے رہے وہ تو اس تک پہنچنے کی راہیں ہی نہیں ہیں۔ پس اگر وہ عمر بھر ٹھوکریں کھاتے رہے تو یہ ان کی بدنصیبی تھی نہ کہ سچے مذہب کا کچھ قصور تھا۔ کاش وہ عقل انسانی کی ہی پوری معرفت حاصل کرکے ایک ذہنی انکسار اختیار کرتے اور اپنے خالق و مالک کے آگے جھک کر اپنے شبہات کا ازالہ چاہتے۔ درج ذیل اقتباس میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایسے ہی لوگوں کا ذکر فرما رہے ہیں۔

"غرض چونکہ خدا تعالیٰ کی ذات باوجود نہایت روشن ہونے کے پھر بھی نہایت مخفی ہوئی ہے اس لئے اس کی شناخت کے لئے صرف یہ نظام جسمانی جو ہماری نظروں کے سامنے ہے کافی نہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ ایسے نظام پر مدار رکھنے والے باوجودیکہ اس ترتیب ابلغ اور محکم کو جو صدہا عجائبات پر مشتمل ہے نہایت غور کی نظر سے دیکھتے رہے بلکہ ہیئت اور طبعی اور فلسفہ میں وہ مہارتیں پیدا کیں کہ گویا آسمان و زمین کے اندر دھنس گئے مگر پھر بھی شکوک و شبہات کی تاریکی سے نجات نہ پاسکے اور اکثر ان کے طرح طرح کی خطاؤں میں مبتلاء ہو گئے اور بے ہودہ اوہام میں پڑ کر کہیں کے کہیں چلے گئے۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۵۱)

فلسفے میں ہستی باری تعالیٰ کی بحث

روایتی فلسفہ میں دو بڑے مکتبہ فکر مادیت پسندی اور مثالیت پسندی ہیں۔ مادیت پسند فلسفیوں نے مظاہر کائنات کی مادی تشریحات پر اکتفا کی اور اس کائنات میں کسی بے شعور مدبر خدا کی کوئی علامات نہیں پاسکے۔ انہوں نے مادے کو ازلی ابدی کہا اور تمام کائنات کو علت و

معلول کے ایسے نظام سے وابستہ قرار دیا جسے عقل انسانی اپنے احاطہ میں لے سکتی ہے۔ قدیم یونانی دور سے ہی مادیت پسند فلسفیوں سے اختلاف کرنے والے فلسفی بلکہ مکاتب فکر مثلاً مثالیت پسند موجود تھے۔ مثلاً سقراط (469 Socrates ق م تا 399 ق م)، ارسطو 384 ق م تا 322 ق م (Aristotls) اور (افلاطون 428 ق م Plato) وغیرہ اور ان سے پہلے کے فلاسفروں نے بھی نہ صرف مادیت پسند فلسفیوں کے انکار کی تردید کی بلکہ خدا تعالیٰ کے واحد اور ازلی ابدی ہونے کا اقرار کیا اور اسے ہر شے کی اصل قرار دیا۔ مثلاً ارسطو کے نزدیک خدا تعالیٰ کی ہستی پر سب سے اہم دلیل اس کائنات کی علت اولیٰ ہے۔ اور ارسطو وہ فلسفی ہے جس کا اپنے میدان میں علمی غلبہ دو ہزار سال تک قائم رہا ہے۔ قدیم یونانی دور کے بہت بعد بھی ایسے فلسفی پیدا ہوتے رہے جنہوں نے عقل انسانی کا ناقص ہونا تسلیم کیا اور خدا تعالیٰ کی ہستی کے شواہد پائے۔ مثلاً برگساں (Bergson) اور کانٹ (Kant 1724-1804) عقل انسانی کی حدود کو سمجھا۔ کانٹ نے اپنی ایک کتاب "تنقید عقل محض" میں عقل کی حدود کے متعلق کہا کہ اس کے ذریعے خدا تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ دوسری کتاب "تنقید عملی عقل" میں وہ اس نتیجہ تک پہنچا کہ خدا موجود ہونا چاہئے۔ تیسری کتاب "تنقید فیصلہ" میں کانٹ اس حسین نظام قدرت میں خدا کو پالیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کائنات میں خاص طور پر دو عظیم اسرار ایسے ہیں جو خدا کی ہستی پر دلالت کرتے ہیں۔ ایک تاروں بھرا آسمان اور دوسرے انسان کے اندر ایک اخلاقی قوت کا موجود ہونا مگر پھر وہ لکھتا ہے کہ دنیا کا حسن اگرچہ خدا تعالیٰ کی طرف اشارہ تو کرتا ہے لیکن یہ اس کے وجود کا مطلق ثبوت نہیں ہے۔ اب دیکھئے کہ قرآن کریم نے بھی عقل انسانی کی ماہیت اور حدود یہی بیان فرمائی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مادیت پسند فلسفیوں کی تردید خود بہت سے فلسفیوں نے کی ہے۔ مضمون کے شروع میں ذکر ہو چکا ہے کہ اول تو ہستی باری تعالیٰ کا کھلا اور صاف انکار عقل کی رو سے ممکن نہیں ہے اور نہ ہی فلسفہ کی دنیا میں کسی باقاعدہ شکل میں ملتا ہے۔ البتہ مادیت پسند فلسفیوں کو چونکہ عقل کے ذریعہ ہستی باری تعالیٰ کے کوئی شواہد نہیں ملے اس لئے ان کے مکتبہ فکر سے بالواسطہ یہ اخذ کیا گیا کہ کائنات کا کوئی خدا نہیں ہے۔ ان فلسفیوں کا رد کرنے والے فلسفی ہمیشہ سے موجود رہے ہیں اس لئے اس بالواسطہ نتیجہ میں بھی کوئی قطعیت از روئے فلسفہ نہیں ہے۔ یہ بات بھی بڑی دلچسپ ہے کہ موجودہ دور میں جن حکما اور فلسفیوں کے انکار میں دہریت کی جڑیں پیوست کی جاتی ہیں وہ اپنی ذاتی زندگی میں ایک خدا کے قائل تھے۔ مثلاً سپنسر (1820-1903) خدا تعالیٰ کے وجود کو مانتا تھا۔ کارل مارکس (Karl Marx) ہستی باری تعالیٰ کا قائل تھا۔ سائنس دانوں میں سے تو اکثر بڑے سائنس دان خدا پر ایمان رکھنے والے تھے۔ مثلاً نیوٹن (Newton) اور آئن سٹائن (Einstein) دونوں خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ اس جدید دور میں عظیم الشان سائنسی ترقی اور مادے کی حقیقت کے متعلق علم کی وسعت نے فلسفے پر بھی گہرے اثرات مرتب کئے ہیں اور اس کے نتیجہ میں مادیت کا قدیم روایتی نظریہ ہی برقرار نہیں رہا۔ مادے کے ازلی ابدی ہونے کا مرکزی خیال ہی غلط ثابت ہوا ہے۔ پس وہ فلسفہ جو بالواسطہ طور پر دہریت کو جنم دینے والا تھا اس کی بنیادیں کمزور ہو گئی ہیں۔ دوسرے یہ کہ سائنسی ترقی نے انسان کے ذہن کو امکانات کی ایک لامحدود دریاؤں کا پتہ دیا ہے۔ کائنات کی بے پناہ وسعتوں اور عقل انسانی کی حدود کے اندازے کے بعد انسان میں علمی سطح پر یہ انکسار پیدا ہوا ہے کہ کسی چیز کے انکار کی بجائے وہ لاادریت (Agnosticism) کے مکتبہ فکر سے وابستہ ہونا زیادہ پسند کرتا ہے۔ چنانچہ اس صدی کا عظیم ترین فلسفی برٹنڈرسل ہے جو فلسفی ہونے کے ساتھ ایک ریاضی دان بھی ہے وہ خدا تعالیٰ کے متعلق عقیدے کے لحاظ سے خود کو Agnostic کہتا ہے جس کے معنی ہیں کہ میں نہیں جانتا۔

پس خدا تعالیٰ کی ہستی کا جو انکار ہمیں بالعموم دکھائی دیتا ہے یہ دلوں میں پوشیدہ ہے اسکی قطعاً کوئی ٹھوس علمی بنیاد نہیں ہے۔ دہریت زیادہ تر ایک جاہلانہ فیشن کے طور پر ہے جس کی حقیقی اور آخری وجہ انسان کی بد اعمالیاں ہوا کرتی ہیں۔

چند فلسفیوں کے مذہب سے انکار کا ایک پس منظر

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مذکورہ بالا اقتباس میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ فلاسفر باوجود تمام تر ذہانت اور لیاقت کے تاریکی کا شکار رہے اور طرح طرح کی خطاؤں میں مبتلا ہوئے۔ ان تاریکیوں کا ایک اظہار ایسے فلسفیوں کی زندگیوں سے بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ ذاتی زندگی سے بحث نہیں مگر جب فرد کی زندگی سے عبرت کا کچھ سامان ملے تو وہ ضرور لینا چاہئے۔ جن فلسفیوں نے کائنات میں ایک باشعور یزدانی قوت کا انکار کیا ہے انہیں خود اس کائنات میں بھی کہیں کوئی حسن' نظم' ترتیب اور ہم آہنگی نظر نہیں آئی ہے اور فکری الجھاؤ اور بدنظمی کا عکس ان کی عملی زندگی میں بھی نمایاں ہے۔ مثلاً ایک فلسفی شوپنہائر (Schopenhauer) ہے جس نے مذہب کا انکار کیا ہے۔ اس کی ذاتی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہ ایک مردم بیزار' خدشات کا شکار' ماں سے نفرت کرنے والا' افسردہ طبع اور تاریک مزاج شخص تھا۔ برٹرنڈرسل نے لکھا ہے کہ اس کی زندگی میں کسی نیکی کو تلاش کرنا بڑا مشکل ہے۔ اس کے بالمقابل وہ فلسفی جنہیں کائنات میں حسن اور توازن کی معرفت حاصل ہوئی ان کی عملی زندگیاں بھی اسی حد تک اس رنگ میں رنگین نظر آتی ہیں۔ **سپنوزا** (Spinoza 1677-1632) ایک ایسا ہی فلسفی ہے۔ وہ قریباً صوفیا کی طرح وحدت الوجود کا قائل ہے۔ اس کی عملی زندگی ایک مضبوط باکردار انسان کا پتہ دیتی ہے۔ اس کے اندر ایک گہرا اطمینان دکھائی دیتا ہے۔ رسل نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ اخلاق اور شرافت کے لحاظ سے سپنوزا سب فلسفیوں میں عظیم ترین فلسفی ہے۔ غرضیکہ فلسفیوں کے انکار اور پھر ان کی عملی زندگی کا مطالعہ بھی بڑی معرفت کا سامان پیدا کرتا ہے خواہ اسے کوئی منطقی دلیل تسلیم کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مغرب میں جن فلسفیوں نے مذہب کا انکار کیا ہے وہ دراصل عیسائیت کے غلط عقائد کے خلاف ایک طبعی بغاوت ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو یہ فرمایا ہے کہ احرار یورپ کا مزاج دین حق کی طرف آ رہا ہے اس سے ایک مراد یہ بھی ہے کہ Free Thinkers اور دانش مند لوگ غلط مذہبی عقائد کو ترک کر رہے ہیں۔

براہ راست خدا تعالیٰ کا انکار اول تو نظر نہیں آتا اور بالواسطہ انکار دراصل عیسائیت کے خلاف ایک رد عمل ہے۔ اس لحاظ سے ان فلسفیوں کے انکار میں بھی صداقت کی کچھ روشنی ضرور موجود ہے۔ مثلاً **نٹشے** (Nietzsche) نے اپنے فلسفے کی جو بنیاد اثبات ذات اور عزم و ارادے پر رکھی تو یہ عیسائیت کی نفس کشی کی تعلیم کا طبعی رد عمل ہے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ اگر بعض فلسفیوں نے خدا کو تسلیم نہیں کیا تو یہ وہ خدا ہے جو عقل کے خلاف ہے ورنہ اسلام نے جس خدا کا علم دیا ہے عقل انسانی اس کا انکار نہیں کر سکتی۔

ہستی باری تعالیٰ کی ایک عقلی دلیل

کائنات میں ہر جگہ نظر آنے والا یہ حسن اور توازن ہستی باری تعالیٰ پر ایک دلیل ہے اسی کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"اب دیکھو عقلی طور پر قرآن شریف نے خدا کی ہستی پر کیا کیا عمدہ اور بے مثل دلائل دیئے ہیں جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (طٰہٰ:۵۱) یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے ہر ایک شے کے مناسب حال اس کو پیدائش بخشی پھر اس شے کو اپنے کمالات مطلوبہ حاصل کرنے کے لئے راہ دکھلا دی۔ اب اگر اس آیت کے مفہوم پر نظر رکھ کر انسان سے لیکر تمام بحری اور بری جانوروں اور پرندوں کی بناوٹ تک دیکھا جائے تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ ہر ایک چیز کی بناوٹ اس کے مناسب حال معلوم ہوتی ہے۔ پڑھنے والے خود سوچ لیں کیونکہ یہ مضمون بہت وسیع ہے۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۵۵)

ہر شے کی پیدائش اور پھر اس کے کمالات مطلوبہ کے حصول کا

راستہ دراصل ارتقاء کے سفر کی کہانی ہے جو ایک مدبر بالاارادہ خالق کا پتہ دیتی ہے۔ موجودہ دور کی دہریت کے

پس منظر میں ارتقاء کا وہ نظریہ بھی شامل ہے جس میں کہا گیا تھا کہ ارتقاء ایک اندھا سفر ہے جو محض اتفاقات کا نتیجہ ہے۔ فلسفہ میں ارتقا کے اس نظریہ کا بانی سپنسر ہے اور علم الحیات میں اس کو سائنسی طرز پر پیش کرنے والا ڈارون ہے۔ دہریت کے پس منظر میں پایا جانے والا یہ نظریہ ارتقا بہت سی کوششوں کے باوجود سائنسی طور پر ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔ ارتقا بہرحال ایک حقیقت ہے مگر اندھے ارتقا کو ماننے والے اپنی کوتاہ نظری کو نظام کائنات پر چسپاں کرتے رہے ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں کہ اتفاقی تبدیلیوں کے نتیجہ میں بالآخر انسان کا پیدا ہو جانا اتنا ہی ناممکن ہے جتنی یہ بات ناممکن ہے کہ کوئی شخص غلط فقرات لکھ لکھ کر ایک ہزار بامعنی کتابیں اتفاقاً تالیف کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس جامعیت سے اور جتنے کم وقت میں زندگی کا ارتقا ہوا ہے یہ ایک باشعور ہستی کے معین منصوبہ کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔ ہر شئے کے مناسب حال پیدائش اور پھر اس کو اس کے کمالات مطلوبہ حاصل کرنے کی راہ دکھانے کا ایک عظیم پہلو یہ بھی ہے کہ ہر چیز اپنی تکمیل کے لئے خارجی دنیا میں کچھ چیزوں کی محتاج ہے اور وہ چیزیں عین اس کی ضرورت کے مطابق موجود ہیں اور یہ حقیقت ایک الگ مدبر بالاارادہ ہستی کا پتہ دیتی ہے جو اس نظام کائنات کو وضع کرنے اور چلانے والی ہے۔ اگر ہر چیز اپنی ذات میں مکمل ہوتی تو اس کے وجود اور اس سے ظاہر ہونے والے تمام مظاہر کو اس شے کے اندر اپنی بقا کے شعور اور اپنی نشوونما کی جدوجہد کی طرف منسوب کیا جا سکتا تھا۔ مگر کائنات پر نظر ڈال کر دیکھیں تو ہر وہ چیز جو ہمیں ایک مکمل اکائی دکھائی دیتی ہے وہ اپنی نشوونما کے لئے ہی نہیں بلکہ اپنے قیام اور بقا کے لئے بھی کتنی ہی ایسی چیزوں کی محتاج ہے جو اس سے الگ خارجی دنیا میں موجود ہیں۔ آنکھ جیسی جامع چیز کا ارتقا بھی اتفاقاً مان لیا جائے تو یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ بیرونی روشنی بھی اتفاقاً پیدا ہو گئی۔ جس کے بغیر آنکھ بے کار تھی۔ اگر یہ سب کچھ اتفاق ہے تو سب سے پہلے لفظ اتفاق کے معنی ہمیں تبدیل کرنے پڑیں گے۔

معرفت الٰہی کے لئے عقل محض کافی نہیں ہے

یہ کائنات اور اس کے مظاہر ایک بالا ہستی کی طرف اشارہ کرتے ہیں مگر یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت کے لئے کافی نہیں ہیں۔ خدا تعالیٰ کا جو تصور اسلام نے دیا ہے وہ بے حد ہمہ گیر ہے۔ عقل انسانی محدود ہے۔ پس عقل اپنی تسلی کے لئے لازماً کچھ اور تقاضا کرتی ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"ہم بے شک کامل معرفت کے حاصل کرنے کے لئے بلاواسطہ الہام کے محتاج ہیں اور اس کامل معرفت کی ہم اپنے دل میں بھوک اور پیاس بھی پاتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے ہمارے لیے پہلے سے اس معرفت کا سامان میسر نہیں کیا تو یہ پیاس اور بھوک ہمیں کیوں لگا دی ہے۔ کیا ہم اس زندگی میں جو ہمارے آخرت کے ذخیرہ کے لئے یہی ایک پیمانہ ہے اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم اس سچے اور کامل اور قادر اور زندہ خدا پر صرف قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں ایمان لاویں یا محض عقلی معرفت پر ہی کفایت کریں جو اب تک ناقص اور ناتمام معرفت ہے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ نمبر ۱۲۲)

خدا کی شناخت کی تڑپ فطرت انسانی میں موجود ہے اور یہ تقاضا کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ خود اپنے وجود کو ظاہر کرے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"غرض جب تک خود خدا تعالیٰ اپنے موجود ہونے کو اپنے کلام سے ظاہر نہ کرے جیسا کہ اس نے اپنے کام سے ظاہر کیا تب تک صرف کام کا ملاحظہ تسلی بخش نہیں ہے۔ مثلاً اگر ہم ایک ایسی بند کوٹھڑی کو دیکھیں جس میں یہ بات عجیب ہو کہ اندر سے کنڈیاں لگائی گئی ہیں تو اس فعل سے ہم ضرور اول یہ خیال کریں گے کہ کوئی انسان اندر ہے جس نے اندر سے زنجیر کو لگایا ہے کیونکہ باہر سے اندر کی زنجیروں کو لگانا غیر ممکن ہے۔ لیکن جب ایک مدت تک بلکہ برسوں تک باوجود بار بار آواز دینے کے اس انسان کی طرف سے کوئی آواز نہ آوے تو آخر یہ رائے ہماری کہ کوئی اندر

ہے بدل جائے گی اور یہ خیال کریں گے کہ اندر کوئی نہیں بلکہ کسی حکمت عملی سے اندر کی کنڈیاں لگائی گئی ہیں۔ یہی حال ان فلاسفروں کا ہے جنہوں نے صرف فعل کے مشاہدہ پر اپنی معرفت کو ختم کر دیا ہے۔ یہ بڑی غلطی ہے جو خدا کو ایک مردہ کی طرح سمجھا جائے جس کو قبر سے نکالنا صرف انسان کا کام ہے۔ اگر خدا ایسا ہے جو صرف انسانی کوشش نے اس کا پتہ لگایا ہے تو ایسے خدا کی نسبت ہماری سب امیدیں عبث ہیں۔ بلکہ خدا تو وہی ہے جو ہمیشہ سے اور قدیم سے آپ انا الموجود کہہ کر لوگوں کو اپنی طرف بلاتا رہا ہے۔ یہ بڑی گستاخی ہوگی کہ ہم ایسا خیال کریں کہ اس کی معرفت میں انسان کا احسان اس پر ہے اور اگر فلاسفر نہ ہوتے تو گویا وہ گم کا گم ہی رہتا۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۵۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دہریت کی کوئی ٹھوس علمی بنیاد نہیں ہے۔ عقل انسانی جس حد تک اس کائنات میں موجود حسن، توازن اور ترتیب کو دیکھ کر ہستی باری تعالیٰ کا اثبات کر سکتی ہے وہ بالعموم فلسفیوں کے ہاں نظر آتا ہے۔ یہ اثبات مضبوط نہ بھی ہو پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ شاید ہی کوئی فلسفی ہو جس نے خدا تعالیٰ کی ہستی کا کھلا انکار کیا ہو۔ عوام الناس کا ہستی باری تعالیٰ کا انکار کرنا کسی عقلی دلیل پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ سراسر بے عقلی کا نتیجہ ہے اور اس کے پس منظر میں مادہ پرستی اور بداعمالی کارفرما ہوتی ہے۔

مضمون کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسلام نے خدا تعالیٰ کا کامل اور صحیح تصور دیا اور اس کی صفات سے ہمیں آگاہ کیا اور اس تک رسائی کا راستہ بتایا۔ خدا تک پہنچنے کا یہ راستہ محض عقلی اور نظریاتی نہیں ہے بلکہ عملی اور تجرباتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک سائنسی حقیقت ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عصر حاضر میں خدا تعالیٰ کو اپنے تجربے سے ہی پایا اور پھر دنیا کے محروموں کو اس کی طرف بلایا۔ کون ہے جس نے سچائی اور استقامت کے ساتھ ان راہوں پر قدم مارا اور پھر وصال الٰہی سے محروم رہا؟

تجھے دنیا میں ہے کس نے پکارا
کہ پھر خالی گیا قسمت کا مارا

پاؤں کے چھالوں کی ہے مجھ کو خبر

(مکرم عبدالکریم قدسی صاحب۔ لاہور)

جون کی دوپہر تھی اور ایک شخص
ننگے پاؤں جا رہا تھا تیز تر

لطف کی یہ بات تھی اس شخص نے
بغل میں رکھے تھے جوتے باندھ کر

اپنی دھن میں جا رہا تھا تیز تیز
جیسے کرنا ہو اسے لمبا سفر

ہر کوئی پاگل سمجھتا تھا اسے
لوگ ہنستے اس کی حالت دیکھ کر

روک کر میں نے کہا، بھائی میرے!
میں نہیں کرتا ترا کھوٹا سفر

پاس ہیں جوتے مگر پہنے نہیں
ڈال اپنے زخمی پاؤں پر نظر

اس نے اپنے پاؤں دیکھے اور پھر
مسکرایا میری جانب دیکھ کر

بات اس نے کی عجب انداز میں
بات دانش کی تھی لیکن مختصر

ٹھیک ہو جائیں گے اک دن مفت میں
پاؤں کے چھالوں کی ہے مجھ کو خبر

جوتے گر ٹوٹے تو کوئی مفت میں
سی کے دے گا کیا مرا کوئی چارہ گر؟

جھروکہ

جب مسلمانوں نے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے

عراق میں مسلمانوں کی پہلی نمازِ جمعہ

(مکرم نصیر احمد صاحب انجم)

آپ اگر اپنے گھر کی بالائی منزل کے جھروکہ میں کھڑے ہوں جو کسی شاہراہ پر کھلتا ہو تو آپ کی آنکھ نت نئے نظارے کرے گی۔ کبھی آسمان پر کونجوں کی ڈار کا دلفریب نظارہ تو کبھی ساون کی گھٹاؤں سے موسلادھار بارش کا پر کیف منظر۔ کبھی چاندنی رات میں تاروں کی بارات کا حسین و دلکش دولہا جن کا چمکتا ہوا چاند ہو۔ کبھی قد آدم درختوں کے جھنڈ پر شام ڈھلے پرندوں کا آبسیرا کرنا اور کبھی شام کے وقت ڈوبتے سورج کا سماں غرضیکہ جھروکے سے آپ ایک جہان کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کے پاس چشم بینا ہو۔

قارئین محترم! تاریخ عالم کو بھی اگر جھروکے سے دیکھا جائے تو نہایت متنوع، دلچسپ اور عبرت انگیز مناظر ہمارے سامنے سے گزریں گے۔ اسی قصد کے ساتھ ہم نے آپ کے لئے یہ سلسلہ شروع کیا ہے جس میں ہر ماہ برادرم مکرم نصیر احمد صاحب انجم آپ کو کسی نظارہ کی لذت فراہم کرنے کی کوشش کریں گے۔

کوثی ایک تاریخی مقام تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید کر رکھا تھا چنانچہ قید خانہ کی جگہ اب تک محفوظ تھی سعد اس کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ کوثی کے آگے پایہ تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا جو ہر روز قسم کھا کر کہتا تھا کہ "جب تک ہم ہیں سلطنت فارس پر کوئی وبال نہیں آسکتا" یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسریٰ سے بہت مانوس تھا اور اسی لئے اس شہر کو بہرہ شیر کہتے تھے۔ سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا۔ لیکن ہاشم نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعد نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا اور فوج نے ادھر ادھر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لئے شہرزاد نے جو ساباط کا رئیس تھا۔ سعد سے کہا یہ معمولی کاشتکار ہیں ان کے قید خانہ سے کیا حاصل۔ چنانچہ سعد نے ان کے نام دفتر میں درج کر لئے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا۔ لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے نکل کر معرکہ آرا ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش و خروش سے سب نے مرنے پر کمریں باندھیں اور تیر برساتے ہوئے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ زہرہ سے جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکوں میں سب سے

آگے رہتے تھے۔ ان کی زرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئی تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس زرہ کو بدل کر نئی پہن لیجئے۔ بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں ہوں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیران ہی کو آکر لگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا تو انہوں نے منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اسی وقت تک میں بھی زندہ ہوں۔ چنانچہ اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھا تلواروں سے مارا تھوڑی دیر تک لڑ کر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اڑایا۔

بہرہ شیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا۔ سعد بہرہ شیر سے آگے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پل بندھے تھے توڑ کر بیکار کر دیئے تھے۔ سعد دجلے کے کنارے پر پہنچے تو نہ پل تھا نہ کشتی۔ فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا "برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے یہ مہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور ان کو دیکھ کر اوروں نے بھی ہمت کی اور سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ دریا اگرچہ نہایت ذخار اور مواج تھا لیکن ہمت اور جوش نے طبیعتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا تھا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آکر ٹکراتی تھیں اور یہ رکاب سے رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ یمین ویسار جو ترتیب تھی اس میں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج بالکل کنارے کے قریب آگئی تو ان کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں جن ہیں۔ چنانچہ **دیواں آمدند' دیواں آمدند** (یعنی دیو آگئے' دیو آگئے) کہتے ہوئے بھاگے۔ تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور گھاٹ پر تیر اندازوں کے دستے متعین کر دیئے ایک گروہ دریا میں اتر کر سد راہ ہوا۔ لیکن مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیر اندازوں کو خس و خاشاک کی طرح ہٹاتے پار نکل آئے۔ یزدگرد نے حرم اور خاندان شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا۔ یہ خبر سن کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ بے اختیار یہ آیتیں زبان سے نکلیں

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۔ (الدخان۔۲۶-۲۹) ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کے بجائے منبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔"

(الفاروق حصہ اول صفحہ ۸۰ تا ۸۲ مولفہ علامہ شبلی نعمانی ایڈیشن ۱۹۳۰ء)

مدّتِ خریداری

آپ کے چندہ کی مدّتِ خریداری باہر ایڈریس کی چٹ پر لکھی گئی ہے۔ براہ کرم اپنا چندہ ختم ہونے سے قبل ہی آئندہ کیلئے چندہ بھجوا دیں تا آپ کو رسالہ کی ترسیل جاری رہے۔

(مینیجر ماہنامہ خالد ربوہ)

چوتھی آل پاکستان سالانہ صنعتی نمائش 1998ء

صنعتی نمائش کی اہمیت و پس منظر

مجلس خدام الاحمدیہ نوجوانوں کی روحانی اور دینی تنظیم ہے۔ جس میں زندگی کے مختلف شعبوں کو نہایت کامیابی سے سمویا گیا ہے۔ مجلس کے آغاز ہی سے بانی خدام الاحمدیہ سیدنا حضرت مصلح موعود نے خدام الاحمدیہ کو صنعت و تجارت کی طرف توجہ دلائی اور اس مقصد کیلئے خدام الاحمدیہ میں شعبہ صنعت و تجارت عمل میں لایا گیا۔ نوجوانوں کو ہنر سیکھنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضور نے ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو فرمایا۔

"ہر خادم کو کوئی نہ کوئی ہنر آنا چاہئے۔ پڑھنا لکھنا غیر طبعی چیز ہے اور ہنر ایک طبعی چیز ہے۔ جو ہر جگہ کام آسکتی ہے۔.... پیشہ ور ہر جگہ اپنے گزارے کی صورت پیدا کر لیتا ہے اور لوگ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں......"

نیز آپ نے فرمایا:۔

"مختلف قسم کے ہنر اور پیشے جاننا غیر ملکوں میں جانے کے لئے بڑی سہولت پیدا کرنے والی چیز ہے اور ان کے ذریعہ وہاں آسانی سے روزی کمائی جا سکتی ہے' اس کے علاوہ ہماری جماعت کی ترقی میں بھی ان پیشوں کا بہت حد تک دخل ہے۔"

خدام کے اس شوق کو فروغ دینے کیلئے مرکزی سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ پر ایک نمائش کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ جہاں چھوٹے پیمانے پر خدام اپنے اپنے فن پاروں کو رکھتے تھے۔ گزشتہ سالوں میں اس روحانی اجتماع پر پابندی کے ساتھ ہی اس نمائش کا راستہ بھی بند ہو کر رہ گیا۔ اس کمی کو دور کرنے کے لئے چار سال قبل پہلی آل پاکستان صنعتی نمائش کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ اب بفضل تعالیٰ ہر سال باقاعدگی سے اس کا کامیاب انعقاد کیا جا رہا ہے۔

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ ہر سال کی طرح امسال بھی جشن آزادی کی مناسبت سے مورخہ 14-15-16 اگست 1998ء ایوان محمود ربوہ میں چوتھی آل پاکستان صنعتی نمائش منعقد کی گئی۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ نمائش بہت کامیاب رہی۔ ہزاروں کی تعداد میں خواتین و حضرات نے تین دن تک اس نمائش کو ذوق و شوق سے دیکھا اور لطف اندوز ہوئے۔

انتظامیہ چوتھی سالانہ آل پاکستان صنعتی نمائش کے سلسلہ میں کام کو بطریق احسن انجام دینے کیلئے شعبہ جات اور ان کے ناظمین تجویز کر کے محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان سے ان کی منظوری لی گئی۔ انتظامیہ درج ذیل ہے۔

ناظم اعلیٰ: مکرم نصیر احمد صاحب انجم
نائب ناظم اعلیٰ: مکرم سلیم الدین صاحب
ناظم نمائش گاہ: مکرم سید محمود احمد صاحب
ناظم تربیت و رہائش: مکرم مسعود احمد صاحب سلیمان
ناظم سمعی و بصری: مکرم سلیم الدین صاحب
ناظم انعامات: مکرم سید مبشر احمد صاحب ایاز
ناظم رابطہ: مکرم حافظ عبد الاعلیٰ صاحب
ناظم مہمان نوازی: مکرم شبیر احمد صاحب ثاقب
ناظم خوراک: مکرم خلیل احمد تنویر صاحب
ناظم رجسٹریشن: مکرم امین الرحمٰن صاحب
ناظم آب رسانی و صفائی: مکرم انصار احمد نذر صاحب
ناظم نظم و ضبط: مکرم قمر احمد کوثر صاحب
ناظم استقبال و الوداع: مکرم مرزا فضل احمد صاحب
ناظم روشنی: مکرم خواجہ ایاز احمد صاحب
ناظم اسٹیج و اشاعت: مکرم فخر الحق شمس صاحب

ناظم طبی امداد: مکرم ڈاکٹر عبداللہ پاشا صاحب

ناظم حاضری و نگرانی: مکرم ڈاکٹر سمیع الاحمد صاحب

ناظم سٹال و ریفریشمنٹ: مکرم راجہ رشید احمد صاحب

ناظم سائیکل سٹینڈ: مکرم عبدالحلیم صاحب سحر

کام کا باقاعدہ آغاز

جملہ انتظامیہ نے نمائش کے انعقاد کے سلسلہ میں بہت تعاون کیا۔

سب سے پہلے تمام ناظمین نے اپنے اپنے شعبہ جات کی سکیمیں مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ پاکستان میں پیش کیں۔ جن کو ضروری ترامیم کے بعد منظور کیا گیا۔ ان منظور شدہ سکیموں کی ضرورت کے مطابق بجٹ تیار کیا گیا۔ جسے محاسبہ کمیٹی میں رکھا گیا بعد ازاں محاسبہ کمیٹی کی سفارشات کی روشنی میں یہ بجٹ مجلس عاملہ نے منظور کیا۔ سکیموں اور بجٹ کی منظوری کے ساتھ ہی صنعتی نمائش کے جملہ شعبوں نے اپنا اپنا کام شروع کر دیا۔ انتظامیہ نے میٹنگز کر کے انتظامات کو بہتر بنانے کے بارہ میں بہت سی تجاویز زیر غور لا کر ضروری اقدامات کئے۔

انتظامیہ کی کارگزاری مکرم ناظم صاحب اعلیٰ مرکزی عاملہ کے اجلاس میں پیش کرتے رہے۔ اس طرح جملہ ارکان مجلس عاملہ اور خاص طور پر محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ کے قیمتی مشوروں سے انتظامیہ مستفید ہوتی رہی۔ نمائش سے قبل ایک بکرا صدقہ دیا گیا اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں دعا کیلئے لکھا گیا۔ انتظامیہ کی ایک میٹنگ 11 اگست 1998ء کو ہوئی جس میں انتظامات کو آخری شکل میں دیکھا گیا۔

رابطہ

قائدین اضلاع و علاقہ سے دو ماہ قبل ہی رابطہ شروع کر دیا گیا تھا اور ضروری ہدایات پر مبنی ایک سرکلر اضلاع کو بھجوایا گیا تھا۔ اس نمائش میں شمولیت اختیار کرنے کے لئے اضلاع کو متعدد خطوط لکھے گئے۔ اس کے علاوہ رابطہ کے لئے دیگر ذرائع بھی استعمال کئے جاتے رہے۔

جائزہ انتظامات

مورخہ 12 اگست 1998ء کو ایک خصوصی تقریب میں انتظامیہ صنعتی نمائش کے ناظمین، نائبین، و معاونین حاضر ہوئے۔ جہاں محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے انہیں ڈیوٹی کی اہمیت کے بارہ میں گراں قدر ہدایات دیں اور بعض مثالیں دے کر ان کے فرائض کے بارے میں تفصیل سے آگاہ فرمایا۔ مورخہ 13 اگست 1998ء آٹھ بجے رات صدر محترم نے ناظم صاحب اعلیٰ کے ہمراہ موقع پر جا کر مختلف شعبوں کو کام کرتے ہوئے دیکھا، ان کا جائزہ لیا اور انہیں مفید ہدایات دیں۔

افتتاحی تقریب

چوتھی سالانہ آل پاکستان صنعتی نمائش کی افتتاحی تقریب 14 اگست 1998ء صبح سات بجے ایوان محمود ہال سے متصل سامنے کھلے مسقف حصہ میں منعقد ہوئی۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی محترم چوہدری مبارک مصلح الدین احمد صاحب وکیل المال ثانی تھے۔ تلاوت، عہد اور نظم کے بعد مکرم ناظم صاحب اعلیٰ نے رپورٹ پیش کی جس میں نمائش کے پس منظر اور انتظامات کے بارے میں بتایا گیا۔ مکرم ناظم صاحب اعلیٰ نے مہمان شرکاء کو خوش آمدید کہا اور مہمان خصوصی کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد مہمان خصوصی محترم چوہدری مبارک مصلح الدین احمد صاحب نے اپنے افتتاحی خطاب میں مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی کارکردگی کو سراہا اور ان کی کامیابی کی دعا کی۔ نیز آپ نے شعبہ صنعت و تجارت کی اہمیت، افادیت اور ضرورت کے بارے میں تفصیل سے آگاہ فرمایا۔ آخر پر آپ نے نمائش کی کامیابی کے لئے دعا کروائی۔ دعا کے بعد مہمان خصوصی نمائش گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور فیتہ کاٹ کر نمائش کا افتتاح کیا اور دیگر مہمانوں کے ہمراہ خوبصورتی سے سجائی گئی نمائش ملاحظہ کی۔ بعد ازاں جملہ مہمانوں کی چائے سے تواضع کی گئی۔

رجسٹریشن

دفتر رجسٹریشن ایوان محمود میں ہی قائم کیا گیا تھا۔ پاکستان کے دور و نزدیک کے اضلاع سے شرکت کرنے والے خدام سے رجسٹریشن فارم پر کروا کے ٹکٹ رجسٹریشن جاری کیا گیا۔ یہ نمائش ضلعی بنیاد پر منعقد کی گئی۔ نمائش میں مندرجہ ذیل 26 اضلاع کے 119 خدام نے شرکت کی اور کل

690 اشیاء نمائش میں رکھی گئیں۔ جب کہ گزشتہ سال 28 اضلاع کے 127 خدام نے شرکت کی تھی اور 682 اشیاء نمائش میں موجود تھیں۔

ربوہ' فیصل آباد' جھنگ' اوکاڑہ' لاہور' نارووال' حافظ آباد' منڈی بہاؤالدین' شیخوپورہ' گوجرانوالہ' ٹوبہ ٹیک سنگھ' کراچی' کوئٹہ' سانگھڑ' میرپور خاص' حیدر آباد' ڈیرہ غازیخان' ملتان' اسلام آباد' سرگودھا' سیالکوٹ' بدین' بہاولنگر' جہلم' عمرکوٹ' راولپنڈی۔

رہائش و تربیت

تمام بیرونی خدام کے لئے رہائش کا انتظام ایوان محمود میں ہی کیا گیا۔ دوران نمائش باقاعدہ نماز باجماعت کا انتظام کیا گیا۔ نماز فجر کے بعد درس بھی ہوتا رہا۔

نمائش گاہ

ایوان محمود کے وسیع ہال کو نمائش گاہ بنایا گیا۔ جشن آزادی پاکستان کی وجہ سے ہال کو بڑی محنت سے سجایا گیا تھا۔ دیواروں پر مختلف چارٹس آویزاں کئے گئے تھے۔ پاکستان کے پرچم' جھنڈیوں' فواروں اور لائٹنگ کے ذریعہ ہال کو دیدہ زیب بنایا گیا تھا۔ میزوں پر سفید چادریں بچھا کر ہر ضلع سے آنے والی اشیاء نفاست کے ساتھ شعبہ جات بنا کر رکھی گئیں۔ کل 690 اشیاء نمائش میں رکھی گئیں۔ جب کہ گزشتہ سال 682 اشیاء رکھی گئی تھیں۔ ان اشیاء میں ہینڈی کرافٹس' ماڈلز' تصاویر' کیلی گرافی' پنسل سکیچز' پینٹنگز' چارٹس' الیکٹرانکس اور اہم معلومات پر مبنی کمپیوٹر پروگرامنگ وغیرہ شامل تھیں۔

نمائش میں داخلہ کیلئے ٹکٹ رکھا گیا۔ اندازاً دس ہزار افراد نے یہ نمائش دیکھی۔ خواتین کیلئے علیحدہ اوقات مقرر تھے۔ مہمانوں کے تاثرات اور تبصرہ کیلئے ایک Visitor's Book بھی رکھی گئی تھی۔

طعام

مہمان شرکاء کیلئے تین وقت کھانے کا انتظام ایوان محمود کے غربی لان میں کیا گیا تھا۔ نمائش کے آخری دن اختتامی تقریب کے معاً بعد مہمان شرکاء کے اعزاز میں عشائیہ دیا گیا۔

مہمان نوازی

تمام شرکاء اور خدام کی حسب ضرورت چائے اور مشروبات سے تواضع کی گئی۔ جس کا انتظام سرائے خدمت گیسٹ ہاؤس خدام الاحمدیہ میں کیا گیا تھا۔

سٹال

سالانہ صنعتی نمائش کیلئے ایوان محمود کے احاطہ میں ایک سٹال بھی لگایا گیا۔ جس میں اچھی' معیاری' صاف ستھری اشیاء خوردونوش مناسب نرخوں پر رکھی گئیں۔ جن میں کباب' قیمے والے سموسے' کولڈ ڈرنکس' چاٹ' آئس کریم وغیرہ شامل تھیں۔ شائقین و ناظرین ذوق و شوق سے یہاں آئے اور لطف اندوز ہوئے۔ خواتین اور بچوں نے بالخصوص سٹال سے بہت فائدہ اٹھایا۔

روشنی

رہائش گاہوں' نمائش گاہ' طعام گاہ اور ایوان محمود کے ماحول میں روشنی کا معقول انتظام کیا گیا۔ بجلی بند ہونے کی صورت میں جنریٹر سے روشنی مہیا کی گئی۔

آب رسانی

احاطہ ایوان محمود میں میٹھے پانی کی فراہمی کو ممکن بنایا گیا۔ روزانہ نمائش گاہ' ماحول او بیوت الخلاء کی صفائی کا خصوصی انتظام کیا گیا۔ وضو کی جگہ پر صابن بھی مہیا کیا گیا۔ ایوان محمود میں ٹھنڈے پانی کے ڈرم رکھے گئے تھے۔

نظم و ضبط

13 تا 17 اگست ایوان محمود کے گیٹ پر خصوصی ڈیوٹی کا انتظام کیا گیا۔ ماحول کی حفاظت کی ذمہ داری احسن طریق پر سرانجام دی گئی۔

سمعی بصری

شعبہ سمعی بصری نظارت اشاعت کے تعاون سے افتتاحی و اختتامی تقریب کے علاوہ نمائش گاہ اور دیگر اہم مواقع کی ویڈیو ریکارڈنگ کی گئی۔ شریک خدام سے ان کی بنائی ہوئی اشیاء کے بارہ میں تفصیلی انٹرویوز بھی ریکارڈ کئے گئے۔ اس یادگار نمائش کی کوریج کیلئے تصاویر بھی بنائی گئیں۔ شائقین میں سے بعض کے انٹرویو کئے گئے۔

شرکاء کے اعزاز میں عشائیہ

مورخہ 16 اگست 1998ء شرکاء خدام کے اعزاز میں عشائیہ دیا گیا۔ اس میں محترم ناظر صاحب اعلیٰ' بزرگان سلسلہ' محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان اور مرکزی عاملہ کے ممبران و دیگر مدعوین نے شرکت کی۔

اختتامی تقریب

چوتھی آل پاکستان سالانہ صنعتی نمائش کی اختتامی تقریب مورخہ 16 اگست رات آٹھ بجے ایوان محمود کے غربی لان میں منعقد کی گئی۔ اس تقریب کو قومی پرچم کی خوبصورت جھنڈیوں اور غباروں سے سجایا گیا تھا۔ اس تقریب میں شرکت کے لئے معززین کو کافی تعداد میں دعوت نامے بھجوائے گئے تھے۔ تقریب کے مہمان خصوصی مکرم و محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی تھے۔ کارروائی کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ عہد اور نظم کے بعد مکرم ناظم صاحب اعلیٰ نے چوتھی آل پاکستان صنعتی نمائش کی رپورٹ پیش کی۔ بعد ازاں محترم مہمان خصوصی نے اعزاز پانے والے خدام میں انعامات تقسیم کئے۔ انعامات میں شیلڈز، کتب اور اسناد امتیاز دی گئیں۔ بعد ازاں محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے محترم مہمان خصوصی و دیگر حاضرین کا ان کی آمد پر مجلس کی طرف سے شکریہ ادا کیا۔ تقسیم انعامات کے بعد مہمان خصوصی نے دعا کروائی اور یوں اس یادگار تقریب کا اختتام ہوا۔

تاثرات

1۔ مکرم و محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی ربوہ

"ماشاء اللہ بڑی اچھی نمائش ہے۔"

2۔ مکرم چوہدری مبارک مصلح الدین احمد صاحب وکیل المال ثانی

Much Pleased to see so much variety

(اس قدر تنوع دیکھ کر میں بہت خوش ہوا)

3۔ محترم راجہ منیر احمد خان صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

"اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ کامیاب آغاز ہے۔ ابھی بہتری کی بہت گنجائش موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نمائش کا انعقاد ہر لحاظ سے بابرکت فرمائے۔ آمین اللھم آمین

4۔ مکرم چوہدری محمد صدیق صاحب ایم۔ اے

"ہر علاقہ کی مجالس کے اراکین نے اپنے اپنے علاقہ کی اشیاء کی نمائش کے سلسلہ میں نہایت محنت اور لگن سے کام کیا ہے۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

5۔ مکرم منیر الدین احمد صاحب مربی سلسلہ

"خدا کے فضل سے خدام نے بڑی محنت کی ہے۔ ان کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔"

چند اہم امور

- ✯ آغاز سے ایک روز قبل صدقہ دیا گیا۔
- ✯ ہر شریک خادم کو سند شرکت دی گئی۔
- ✯ ہر شریک خادم کو ہدایت نامہ جاری کیا گیا۔
- ✯ ہر شریک خادم سے ایک کوائف فارم پر کروایا گیا۔
- ✯ جملہ شرکاء نمائش کو شکریے کے خطوط لکھے گئے۔
- ✯ جن اضلاع سے نمائندگی نہیں ہوئی تھی آئندہ سال انہیں ہمت سے کام کرنے کی تحریک کی گئی۔
- ✯ جن قائدین اضلاع نے نمائندگی کروائی انہیں بھی شکریے کے خطوط لکھے گئے۔

اعزاز پانے والے خدام اور ان کے نتائج

مندرجہ ذیل خدام نے مختلف شعبہ جات میں پوزیشنز حاصل کیں۔ بغرض ریکارڈ و دعا ان کے نام پیش ہیں۔

شعبہ دستکاری

اول: اشتیاق احمد صاحب۔ سرگودھا۔ لکڑی پر کھدائی

دوم: محمد اکرم صاحب۔ فیصل آباد۔ پلیٹ، پیالے، بیڈ لکڑی کے

سوم: مشہود احمد صاحب۔ ربوہ۔ لکڑی کی اشیاء

حوصلہ افزائی: طاہر احمد شیخ۔ میرپور خاص۔ سندھی ثقافت۔ (رلی)

شعبہ کمپیوٹر

اول: محمد مسلم نبیل صاحب۔ ربوہ

دوم: قمر شہزاد شیراز صاحب۔ ربوہ

سوم: محمد آصف ندیم صاحب۔ کراچی

حوصلہ افزائی: محمود احمد قریشی صاحب۔ کراچی

شعبہ ماڈلز

اول: عمران شاہد صاحب لاہور۔ وزن (لوڈ) اٹھانے والی کرین

دوم: داؤد سلیمان صاحب۔ لاہور (بیت) اقصیٰ

سوم: ظہیر احمد صاحب۔ فیصل آباد۔ تنکوں سے بنایا ہوا ہرن مینار

حوصلہ افزائی: عبدالرحمٰن صاحب۔ ربوہ۔ نقشہ فیکٹری ایریا

شعبہ الیکٹرونکس

اول: عبدالرحمٰن صاحب۔ ربوہ۔ (جہاز + پروجیکٹر)

دوم: نور الدین صاحب۔ حافظ آباد۔ پاور ہاؤس

سوم: عطرت شہزاد صاحب۔ کوئٹہ۔ شمسی توانائی والی کشتی

حوصلہ افزائی: ظہیر الدین بابر صاحب۔ میرپور خاص۔ پنکھا

حوصلہ افزائی: فہیم احمد صاحب۔ بہاولنگر۔ ملک شیکر

شعبہ مصوری و خطاطی

اول: سید عبدالسلام رضوان صاحب۔ ربوہ

دوم: حفیظ احمد صاحب۔ ربوہ

سوم: عامر پاشا صاحب۔ کراچی

حوصلہ افزائی: فہیم احمد صاحب۔ فیصل آباد

شعبہ فوٹوگرافی

اول: اسد سعید صاحب۔ کراچی

دوم: شیراز ہارون صاحب۔ کراچی

سوم: سیف الاسلام طاہر صاحب۔ کراچی

حوصلہ افزائی: لقمان نصیر صاحب۔ حافظ آباد

شعبہ متفرق

اول: ڈاکٹر مبارک احمد صاحب۔ حافظ آباد۔ بلڈ شیکر

دوم: شبیر احمد صاحب۔ لاہور۔ شمسی چولہا

سوم: نور الدین صاحب۔ حافظ آباد۔ آلہ اعصاب اور توجہ

حوصلہ افزائی: لطف الرحیم طاہر۔ حیدر آباد۔ ٹیبل رائٹنگ پیڈ

حوصلہ افزائی: محمد علیم انور صاحب۔ اوکاڑہ۔ سکٹیں

حوصلہ افزائی: مکرم طارق محمود زاہد صاحب۔ لاہور۔ گیم پزل

خصوصی انعامات

1۔ منور احمد صاحب۔ کوئٹہ۔ بیت اقصیٰ

2۔ محمد احمد خان صاحب۔ سانگھڑ۔ سائیکل

3۔ امتیاز احمد تاج صاحب۔ شیخوپورہ۔ سکے + کرنسی نوٹ

4۔ نعیم احمد صاحب۔ سیالکوٹ۔ موم بتی بنانے والا یونٹ

5۔ طیب احمد صاحب۔ جھنگ۔ جو کے تنے سے لکھائی۔

6۔ فارق احمد صاحب۔ نارووال۔ مینار پاکستان

7۔ عبدالعزیز صاحب۔ سرگودھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کا فریم

8۔ سہیل احمد صاحب۔ عمرکوٹ۔ گھر کا ماڈل

9۔ عامر اقبال صاحب۔ ملتان۔ بچوں کیلئے گیم

10۔ مبارک احمد صاحب۔ ڈیرہ غازیخان۔ ریموٹ کنٹرول بس

☆ اول ضلع: مجلس ربوہ۔ مہتمم مقامی صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قرارداد تعزیت

بروفات عزیز چوہدری حمود الرحمٰن احمد صاحب قائد ضلع سرگودھا

مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے ممبران اپنے ایک نہایت مخلص اور سرگرم کارکن چوہدری حمود الرحمٰن احمد صاحب قائد ضلع سرگودھا کی اندوہناک وفات پر اپنے دلی جذبات غم کا اظہار کرتے ہیں۔

آپ مورخہ 8 اور 9 اگست 1998ء کی درمیانی شب ڈاکوؤں کی گولی کی وجہ سے انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تفصیلات کے مطابق رات کو دو ڈاکو ان کے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ مکرم حمود الرحمٰن احمد صاحب کے بیدار ہونے پر انہوں نے گولی چلا دی جو ان کی پیشانی پر لگی اور جان لیوا ثابت ہوئی۔ آپ کا جنازہ ربوہ لایا گیا۔ "بیت المبارک" میں بعد نماز عصر مکرم و محترم مرزا عبدالحق صاحب امیر ضلع سرگودھا و صوبائی امیر پنجاب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قبر تیار ہونے پر محترم چوہدری مبارک مصلح الدین صاحب وکیل المال ثانی نے دعا کروائی۔ ان کے جنازے اور تدفین میں ربوہ اور بیرون ربوہ کے احباب نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

مرحوم نہایت مخلص، فدائی اور خدمت کا جذبہ رکھنے والے خادم تھے۔ مرکز کے ہر حکم پر لبیک کہنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے اور سلسلہ کے کام کو ترجیحاً پہلی فرصت میں مکمل کرنے کے عادی تھے۔ بہت کم عمری یعنی 25 سال کی عمر میں امسال قیادت ضلع سرگودھا کی اہم خدمت ان کے سپرد کی گئی جو انہوں نے بڑی کامیابی اور محنت سے سرانجام دی۔ اس عرصہ میں انہوں نے دن رات ایک کر کے دین کی خدمت کی۔ ہمہ وقت اپنے ضلع کی مجالس کے لئے سوچ بچار میں مصروف رہتے تھے اور تعلیم و تربیت اور دعوت الی اللہ کے میدان میں نئے نئے پروگرام ترتیب دیا کرتے تھے۔ قیادت ضلع کی خدمات سے پہلے آپ نائب قائد مجلس اور ناظم عمومی کے عہدوں پر بھی کام کرتے رہے تھے۔

دینی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ اپنے خاندان میں دنیوی کاموں میں بھی آگے تھے۔ بڑی محنت اور دیانتداری کے ساتھ آپ اپنے کاروبار کو چلا رہے تھے۔ آپ کا آبائی گاؤں چک 35 جنوبی سرگودھا ہے۔ اپنے والد صاحب کے بیرون ملک چلے جانے کے بعد گاؤں کی نمبرداری آپ کے سپرد ہوئی تھی۔ غیر از جماعت احباب میں بھی آپ کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

پسماندگان میں آپ نے سوگوار بیوہ کے علاوہ دو بچے چھوڑے ہیں جن میں بڑی بیٹی کی عمر صرف تین سال اور واقف نو بیٹا ایک سال کا ہے۔

اپنے اس عزیز نوجوان بھائی کی المناک وفات پر ہم جملہ ممبران عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان مرحوم کی اہلیہ، بچوں، والدین اور تمام لواحقین سے گہرے دکھ اور غم کا اظہار کرتے ہوئے دلی تعزیت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے، ان کے خلا کو پر کرے اور سب پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین اللھم آمین۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا۔ اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

ہم ہیں ممبران عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

خدا تعالیٰ کے فضل سے جلسہ سالانہ انگلستان ۱۹۹۸ء

اور جلسہ سالانہ جرمنی ۱۹۹۸ء کا کامیاب انعقاد، چھٹی عالمی

بیعت اور جماعت احمدیہ کی غیر معمولی ترقیات حضور ایدہ اللہ

تعالیٰ بنصرہ العزیز اور احباب جماعت کو مبارک ہوں۔

- مرزا محمد اکرم نگران مجلس خدام الاحمدیہ تحصیل فیصل آباد

- محمد رفیق جٹ نگران مجلس خدام الاحمدیہ حلقہ چوہدری والا فیصل آباد

- مرزا ارشد اقبال نگران تحصیل سمندری ضلع فیصل آباد

- چوہدری طاہر محمود گجر ایڈووکیٹ قائد مجلس خدام الاحمدیہ ضلع فیصل آباد
(فون: ۶۳۳۵۸۸)

چیمبر نمبر ۱۸۸ ضلع کچہری فیصل آباد (فون: ۷۸۰۰۴۲)

رہائش: کریم نگر فیصل آباد

صنعتی نمائش ۱۹۹۸ء میں تنکوں سے بنا ہُوا ایک خوبصورت ماڈل
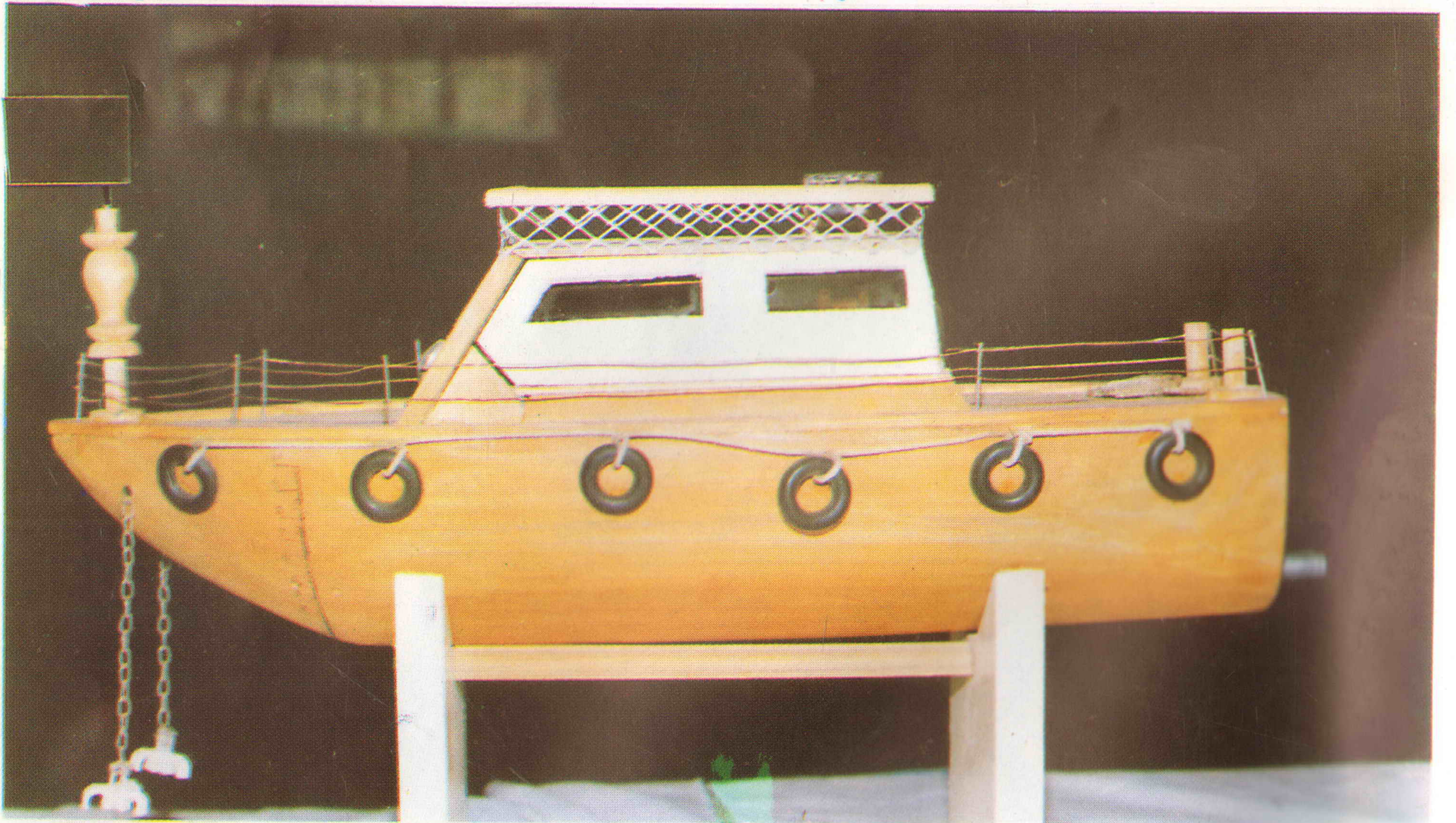
لکڑی سے بنا ہُوا ایک کشتی کا خوبصورت ماڈل

Monthly **Khalid** Rabwah

Regd. No. CPL-139 Editor. Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz September 1998

محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی نے اختتامی تقریب سے قبل اور محترم چوہدری مبارک مصلح الدین احمد صاحب وکیل المال ثانی تحریکِ جدید ربوہ نے افتتاح کے موقع پر صنعتی نمائش کا معائنہ فرما کر صنعتی نمائش ۱۹۹۸ء میں حصہ لینے والوں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

محترم راجہ منیر احمد خان صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان اور محترم نصیر احمد صاحب انجم ناظم اعلیٰ صنعتی نمائش بھی ہمراہ ہیں۔